إِنۡ أُرِيدُ إِلَّا ٱلۡإِصۡلَٰحَ مَا ٱسۡتَطَعۡتُ

ماہنامہ

البرہان

لاہور

نومبر ۲۰۱۴ء

مدیر ڈاکٹر محمد امین

فکر و نظر

ادھورا سچ

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کے آلام کی ایک بڑی وجہ ان کی سیاسی قیادت کی نااہلی ہے۔ یہ اغیار کے ہاتھوں بکی ہوئی ہے، اس نے امریکہ و یورپ کو ’بادشاہ گر‘ مان لیا ہوا ہے اور یہ مسلم عوام کی بجائے مغربی اقوام کے مفادات اور پالیسیوں کے لیے کام کرتی ہے۔ ’جمہوریت‘ اور ’سیاسی استحکام‘ کے پردے میں کام کرنے والی یہ کرپٹ اور خودغرض اشرافیہ اور اسٹیبلشمنٹ (سیاستدان، فوج، عدلیہ، پولیس، بیوروکریسی......) بلاشبہ ہمارے مصائب کا ایک بڑا سبب ہے اور اس سے چھٹکارے کے لیے عوام کو کھڑا کرنا، انہیں منظم اور متحرک کرنا اور تحریک چلانا ضروری ہے......لیکن معاف کیجیے گا یہ ادھورا سچ ہے۔

باقی کا آدھا سچ آپ کی سمجھ میں اس وقت آئے گا جب آپ اس پر غور کریں گے کہ اس اشرافیہ کی کامیابی کا راز کیا ہے؟ کامیابی کا راز یہ ہے کہ وہ عامۃ الناس کو دبائے رکھنے کے لیے انہیں اَن پڑھ اور نان جویں کا محتاج رکھتی ہے اور انہیں اس کا ادراک نہیں ہونے دیتی کہ ان کی قوت کا راز ان کے نظریۂ حیات (اسلام) پر عمل کرنے میں مضمر ہے نہ کہ مغربی جمہوریت، سرمایہ داری اور مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کے اصول و اقدار پر عمل کرنے میں۔

لہٰذا مسلم امہ کو زوال سے نکالنے کا عموماً اور ملتِ اسلامیہ پاکستان کے موجودہ مسائل کے حل کا خصوصاً مکمل نسخہ یہ ہے کہ انہیں اسلامی تناظر میں صحیح تعلیم و تربیت اور میڈیا، دعوت و اصلاح اور تطہیر افکار و اخلاق کے ذریعے اور مغربی اصول و اقدار کو ترک کرتے ہوئے باعمل مسلمان بنایا جائے۔ فرد کی اس تبدیلی کو سماجی تنظیم اور معاشرتی اداروں کے ذریعے مضبوط اور ثمر آور بنایا جائے اور اس کے بعد دینی قوتیں متحد ہو کر عوام کو منظم اور متحرک کر کے اس سازشی اشرافیہ کو ناکام بنا دیں۔

یہ ہے پورا نسخہ۔ اگر کوئی اس نسخے کے صرف آخری جزء پر عمل کرے گا جیسا کہ عمران خاں اور طاہر القادری کہتے اور کوشش کرتے ہیں (یا اب جماعت اسلامی اور اس کے تازہ دم امیر سراج الحق صاحب کرنا چاہ رہے ہیں) تو اگر یہ کوشش کامیاب بھی ہو جائے تو اس سے ملک میں سیاسی تبدیلی تو آ جائے گی لیکن معاف کیجیے گا، وہ اسلامی تبدیلی نہ ہو گی اور نہ اس سے معاشرے میں اسلام آئے گا بلکہ وہ سیکولر

تبدیلی ہوگی اور اس سے ملک میں مغربی فکر و تہذیب ہی غالب آئے گی اور اسلام اور کفر میں کشمکش ہمیں سیاسی، سماجی اور اخلاقی لحاظ سے مزید کمزور کرے گی اور ہم زوال کی دلدل میں مزید دھنستے چلے جائیں گے۔

اگر تبدیلی کا منہاج ایک ہو تو نتیجہ بھی ایک ہی نکلے گا۔ اگر عمران خاں عوامی تحریک سے تبدیلی لاتے ہیں تو وہ سیکولر سیاسی تبدیلی ہوگی اور اس کے نتیجے میں اسلام نہیں آئے گا تو اسی طرح عوام کو متحرک کر کے سراج الحق صاحب اگر (اور یہ 'اگر' بہت بڑا ہے) تبدیلی لاتے ہیں تو وہ کیوں سیکولر نہ ہوگی؟

کہ پاکستان کو اسلامی بنانے کے لیے خلاصہ یہ محض اقتدار کی سیاسی تبدیلی کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے رد اور معاشرے کی تبدیلی بھی ضروری اور ناگزیر ہے بلکہ اس کی پیشگی شرط ہے۔

یہ جذباتیت قابلِ اصلاح ہے

اوائل نومبر ۲۰۱۴ء میں پنجاب کے علاقے کوٹ رادھا کشن میں جو واقعہ ہوا وہ افسوس ناک ہے جس میں ایک عیسائی میاں بیوی کو توہین قرآن کے شبہے میں زندہ جلا دیا گیا۔ اس طرح کے واقعات میں جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ عوام کو مشتعل کون کرتا ہے اور اس کا مقصد یا مقاصد کیا ہوتے ہیں؟ اس طرح کے کئی افسوسناک واقعات پہلے بھی ہو چکے ہیں اور ان میں اشتعال دلانے والوں کے ذاتی اور گروہی مقاصد سامنے آ چکے ہیں لیکن افسوس کہ کسی ایسے شخص کو عبرتناک سزا نہیں دی گئی جس کی وجہ سے سازشی اور مجرمانہ ذہن کے افراد ذاتی مقاصد کو بلا جھجک مذہبی رنگ دینے میں باک محسوس نہیں کرتے۔

اس طرح کے واقعات میں مذہبی اشتعال دلانے میں مساجد کے اعلانات بھی کافی اہم کردار ادا کرتے ہیں لہٰذا اس ضمن میں موذنین اور ائمہ مساجد کا رویہ بھی قابل غور ہے۔ سوال یہ ہے کہ واضح قرآنی حکم کی موجودگی میں کہ اس قسم کے واقعات میں تحقیق کر لینی چاہیے، ائمہ مساجد کس طرح بلا تحقیق محض سنی سنائی بات پر یہ اعلان کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں آدمی نے قرآن یا رسول کی توہین کر دی ہے اس کو قتل کرنے دوڑو۔ ائمہ مساجد کو اس طرح کے اعلانات سے پہلے تحقیق کرنی چاہیے کہ توہین کا واقعہ ہوا بھی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ خبر لانے والا قابل اعتماد اور ثقہ آدمی ہے بھی یا نہیں؟ پھر اگر واقعہ ہوا بھی ہو تو اس کے لیے قانون موجود ہے، ملزموں کو حوالۂ قانون کرنا چاہیے نہ کہ قانون خود ہاتھ میں لے لینا چاہیے۔

ان حالات میں دینی جماعتوں، دینی مدارس اور مسالک کے بڑے علماء کرام کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ موذنوں اور ائمہ مساجد کی تربیت کریں تاکہ مساجد سے بلا تحقیق اس قسم کے اشتعال انگیز اعلانات ہرگز نہ ہوں اور نہ لوگوں کو قانون ہاتھ میں لینے پر اُکسایا جائے۔ اس سلسلے میں بعض احادیث سے جو غلط استنباط کیا جاتا ہے اس کی حقیقت واضح کرنا بھی ان بڑے علماء کرام کی ذمہ داری ہے تاکہ موذن، امام مسجد اور واعظ ٹائپ لوگ اس کا غلط استعمال نہ کریں کہ اس سے دین بدنام ہوتا ہے اور علماء کرام کی علمیت و فراست پر حرف آتا ہے۔

مسلمانوں اور مغرب میں

نئے سوشل کنٹریکٹ کی ضرورت

اتحاد امت کے لیے ایک نئی عوامی ملی تنظیم کا قیام ناگزیر ہے

پہلی جنگ عظیم کے بعد ہونے والا کوئی معاہدہ ہو یا دوسری جنگ عظیم کے بعد ہونے والے معاہدات، ہمارے علم کی حد تک مسلمانوں نے کبھی اہل مغرب کے ساتھ یہ طے نہیں کیا کہ وہ آئندہ خلافت قائم نہیں کریں گے یا کسی مسلمان معاشرے میں شریعت نافذ نہیں کریں گے......اور فرض کریں اگر ایسا ہوا بھی ہو تو معاہدے وہ ہوتے ہیں جو برابر کے دو فریقوں کے درمیان ہوں۔ فاتح اور مفتوح میں کیسے کوئی متوازن، عادلانہ، پائیدار اور قابل عمل معاہدہ ہوسکتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد مغربی استعمار نے جب مسلم ممالک کو آزاد (؟) کیا تو منصوبہ بندی سے اقتدار، اکثر جگہ، ایسے لوگوں کو منتقل کیا جو اس کے پروردہ اور اس کی فکر و تہذیب کے دلدادہ تھے۔ پھر مسلسل مغرب نے پرامن طریقوں سے (مثلاً قرضوں میں جکڑ کر، اس کا خام مال سستے داموں خرید کر، امداد دے کر، میڈیا کے لیے آلات و پروگرامات مہیا کر کے، جمہوریت میں مدد اور تعلیم میں معاونت کے نام پر مسلم معاشروں کو پنپنے نہ دیا۔ اس کی ایسی کوششوں کے باوجود پاکستان ایٹمی قوت بن گیا، افغانستان میں طالبان ٹھیٹھ اسلامی انقلاب لے آئے، ترکی و ملائیشیا مالی طور پر کچھ بہتر ہو گئے، ایران میں اسلامی انقلاب آ گیا، عراق نے مضبوط فوج کھڑی کر لی۔ تو مغرب نے امریکی سربراہی میں امن کا چولا اتار پھینکا اور اپنی تباہ کن جنگی مشینری عراق، افغانستان اور لیبیا کو تاراج کر دیا۔ پاکستان، یمن، مالی اور شام پر حملے ہو رہے ہیں۔ کشمیر، فلسطین، چیچنیا، کوہ قاف، سنکیانگ، اراکان، فلپین...... میں مسلمانوں پر ظلم وستم جاری ہے۔

حکومتوں میں ہمت نہ دیکھ کر عوام اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مزاحمت شروع کر دی تو مغرب اپنی دیوہیکل پروپیگنڈا اور جنگی مشینری کے ساتھ القاعدہ، طالبان، داعش اور بوکوحرام کو دہشت گرد قرار

دینے اور قوت سے کچلنے میں مصروف ہے اور اپنی گماشتہ حکومتوں کو بھی ان کے خلاف استعمال کر رہا ہے۔ اقوام متحدہ کا نظام بھی اس نے ایسا بنایا ہے کہ اس میں پونے دو ارب مسلمانوں کی کوئی نمائندگی نہیں۔

اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم امت مغرب کے ساتھ ڈائیلاگ کرے اور ایک نئے سوشل کنٹریکٹ کی بنیاد رکھے جس میں اقوام متحدہ میں نمائندگی، قیام خلافت، نفاذِ شریعت اور مسلمان ملکوں میں عدم مداخلت جیسے مسائل پر مغربی ممالک کے ساتھ ایک متوازن اور عادلانہ معاہدہ کیا جائے لیکن سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی نمائندگی کون کرے؟ اسلامی کانفرنس تنظیم اور رابطہ عالم اسلامی دونوں کا ہیڈ آفس سعودی عرب میں ہے اور امریکی ایماء پر سعودیوں نے انہیں افیون دے کر سلا رکھا ہے۔ یہی حالت موتمر عالم اسلامی کی ہے اور سعودی عرب سے ہی کیا گلہ سارے مسلم ملکوں کا یہ حال ہے کہ وہ امریکہ و یورپ کے نیچے لگے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے سر نہیں اُٹھا سکتے۔ ایک ایران نے کچھ سال مزاحمت کی اب وہ بھی ڈھیر ہو گیا ہے۔ لہٰذا اصل مسئلہ ہے امت کی بیداری کا، اور مغرب کی ذہنی غلامی سے اس کے چھٹکارے کا۔ دو چار مسلم ممالک ہمت کر کے اُٹھیں، اپنا بلاک بنائیں، آہستہ آہستہ دوسرے ممالک کو بھی ساتھ ملائیں، آزادانہ پالیسیاں تشکیل دیں اور آبرو سے زندہ رہنے کا عزم کریں تو امریکہ و یورپ سے نیا عمرانی معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ کام اتنا بڑا ہے کہ ریاستوں کی سطح پر ہی ہو سکتا ہے لیکن اگر مسلم حکمران ہمت نہیں کرتے تو جس طرح کسی زمانے میں مسلم زعماء نے موتمر عالم اسلامی بنائی تھی اسی طرح آج بھی امت کا درد رکھنے والے زعما، علماء اور دانشور اگر جمع ہو کر ایک تنظیم بنالیں اور متحرک و منظم ہو کر امت کی بیداری کی تحریک چلائیں۔ عامۃ الناس کو جھنجھوڑیں، حکمرانوں کو غیرت دلائیں اور مسلمانوں کو بیدار کریں، انہیں اپنے مفادات و حقوق کے تحفظ پر اکسائیں تو شائد اس امت مریضہ کے جسم لاغر میں کچھ حرکت پیدا ہو۔

ہم سمجھتے ہیں کہ بقائے امت، استحکام امت اور اتحادِ امت کے لیے اس طرح کی نئی تنظیم کا قیام اب ناگزیر ہو گیا ہے۔ یہ تنظیم اگر سب کچھ نہ کر سکے گی تو کچھ نہ کچھ تو کرے گی اور نہ کرنے سے کچھ نہ کچھ کرنا تو بہر حال بہتر ہے۔ آخر کچھ نہ کرنے کے مقابلے میں کچھ تھوڑا بہت کرنا غنیمت ہے۔

دینی تحریکیں

پروفیسر طارق بٹ

جماعت اسلامی کیسے کامیاب ہوسکتی ہے؟

ہماری کتاب ''جماعت اسلامی اور انتخابی سیاست، اس کا واضح جواب دیتی ہے

ہم نے مناسب سمجھا کہ جماعت اسلامی کے اجتماع عام (نومبر ۲۰۱۴ء) کے موقع پر اس سوال کا واضح جواب دیں جو مسلم امہ اور پاکستانی معاشرے کے ہر دین پسند فرد بلکہ خود جماعت اسلامی کے ہر رکن اور کارکن کے ذہن میں موجود ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ جماعت اسلامی کیوں کامیاب نہیں ہوسکی اور یہ کہ وہ کیسے کامیاب ہوسکتی ہے؟ ہم نے مئی ۲۰۱۳ء کے انتخابات میں جماعت کی شکست کے اسباب اور مستقبل میں جیت جانے کی حکمت عملی پر ان اہل دانش کے خیالات کو ایک کتاب کی صورت میں مرتب کر دیا تھا۔ یہ مضامین اگرچہ مختلف دانشوروں نے لکھے ہیں لیکن ان میں ایک معنوی اشتراک و اتفاق پایا جاتا ہے ہم اسی کا اظہار یہاں اس مختصر مضمون کی صورت میں کریں گے۔ جن اصحاب کو دلچسپی ہو وہ اصل کتاب مکتبہ البرہان یا دوسرے متعلقہ اداروں سے منگوا کر دیکھ لیں۔

جماعت اسلامی کیسے کامیاب ہوسکتی ہے؟ اس کا مختصر اور دوٹوک جواب یہ ہے کہ

جماعت کامیاب ہوسکتی ہے اگر وہ اپنے لائحہ عمل کو بدل لے......اور وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی اگر وہ اپنی پالیسیوں کو نہ بدلے

اور وہ اپنے آپ کو بدلے کیسے؟ اس کا جواب بھی بہت سادہ اور واضح ہے۔ وہ اپنے آپ کو بدلے اس لائحہ عمل کے مطابق جو جماعت نے قیام جماعت کے وقت طے کیا تھا یعنی دعوت وتبلیغ، تطہیر افکار، تعلیم وتربیت اور تنظیم کے ذریعے: اصلاح فرد اصلاح معاشرہ اور انقلاب امامت

اور اس حکمت عملی کو ترک کردے کہ یہ مقصد صرف سیاسی جدوجہد سے حاصل ہوسکتا ہے جیسا کہ بانیٔ جماعت نے قیامِ پاکستان کے بعد طے کیا تھا اور ۱۹۷۰ء میں اپنی اس حکمت عملی کو ناکام دیکھ کر اس سے رجوع کرلیا تھا۔ جماعت کو بھی فکری جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔

جماعت کی موجودہ قیادت کے لیے اس بات کو سمجھنا بہت آسان ہونا چاہیے کیونکہ جیسا کہ اخبارات میں آ رہا ہے کہ نئے امیر جماعت رجوع الی تحریک پاکستان کی مہم شروع کرنا چاہ رہے ہیں یعنی ان کے نزدیک پاکستان کی موجودہ مشکلات کا حل اس امر میں ہے کہ اہل پاکستان اپنی اس اصل کی طرف لوٹ جائیں جس کے لیے انہوں نے پاکستان بنانے کی تحریک شروع کی تھی اور پاکستان بنایا تھا......یہی بات ہم جماعت اسلامی کے قائدین کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ جماعت اسلامی کی مشکلات کا حل یہ ہے کہ وہ اپنی اُس اصل کی طرف لوٹ جائے جس کے لیے جماعت بنائی گئی تھی یعنی اقامت دین بذریعہ اصلاح فرد، اصلاح معاشرہ اور انقلاب امامت۔ گویا ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ سراج الحق صاحب نے جو نسخہ پاکستان کے مسائل کے حل کے لیے تجویز کیا ہے، اسی نسخے کو وہ جماعت اسلامی کے لیے بھی استعمال کر لیں تو مسئلہ حل ہو جائے گا اور جماعت اسلامی ان شاء اللہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائے گی۔

اب آیئے ہمارے ادعا کے دوسرے جزو کی طرف کہ جماعت اسلامی ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی اگر وہ اپنی پالیسیوں کو نہ بدلے۔ یہ بات بھی بہت سادہ اور واضح ہے۔ اس بات کو بھی جماعتی قیادت آسانی سے سمجھ سکتی ہے اگر وہ اپنے مذکورہ بالا سیاسی موقف کا اطلاق جماعت پر کر کے دیکھے۔ جماعت کا سیاسی موقف یا موجودہ حکمت عملی یہ ہے کہ پاکستان اپنی موجودہ مشکلات سے نہیں نکل سکتا اور استحکام و ترقی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا اگر اس کے عوام اس مقصد کے لیے اُٹھ نہ کھڑے ہوں جس مقصد کے لیے کہ انہوں نے یہ ملک بنایا تھا (یعنی نظریۂ پاکستان) اور اس اشرافیہ اور اس اسٹیبلشمنٹ کو رد نہ کر دے جو اسے اس کے نظریے سے دور اور مغرب کی غلامی کی طرف لے جا رہی ہے۔ بالکل یہی بات جماعت اسلامی کی ناکامیوں اور مشکلات پر صادق آتی ہے کہ جماعت اسلامی کا آج اصل داخلی مسئلہ یہ ہے کہ اس کا کارکن اُس اصل مقصد سے دور ہو گیا ہے جس کے لیے جماعت قائم کی گئی تھی یعنی اقامت دین بذریعہ اصلاح فرد، اصلاح معاشرہ اور انقلاب امامت۔ لیکن قیامت پاکستان کے بعد اسے جو نسخہ تھما دیا گیا وہ تھا اقامت دین بذریعہ انقلاب امامت (یا سیاسی جدوجہد) اور یہ نسخہ ناکام ہو گیا (کیونکہ یہ نسخہ تھا ہی غلط۔ مخالفین اسے اصل سے انحراف کہتے ہیں جب کہ ہمارے نزدیک یہ مولانا مودودیؒ کی اجتہادی غلطی تھی)۔ اس مسلسل ۶۶ سالہ ناکامی نے کارکنوں کو شل کر دیا ہے۔ وہ مایوس اور بے عمل ہو چکے ہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ جماعت کا ووٹ بنک سکڑ گیا ہے اور اس کی سٹریٹ پاور کم ہو گئی ہے۔ سراج الحق صاحب اگر جماعت کے کارکن کو متحرک کر کے اس سے کام لینا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ جماعت کے اصل منہج کی طرف لوٹ جائیں یعنی اصلاح فرد، اصلاح معاشرہ اور انقلاب امامت، نہ کہ انقلاب

امامت بذریعہ سیاسی جدوجہد۔اور جب تک وہ اپنی اصل کی طرف نہیں لوٹیں گے کارکن متحرک نہیں ہوگا...... وہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کے جذبات ٹھٹھر چکے ہیں، وہ کنفیوزڈ ہے، ناامید ہے اور ناامیدی نے اس کے قوائے عمل کو شل کر دیا ہے۔تو جس طرح آپ پاکستان کے مسائل حل کرنے کے لیے عوام کو اشرافیہ کے خلاف تحریک پاکستان کی طرح متحرک کرنا چاہتے ہیں، اسی طرح جماعت کے کارکن کو متحرک کرنے کے لیے بھی ناگزیر ہے کہ جماعت اپنے اصل کی طرف لوٹ جائے۔

اس کا اصولی حل تو یہی ہے کہ جماعت پہلے دعوت و تربیت اور تطہیر افکار کے ذریعے فرد اور معاشرے کی اصلاح کا کام کرے اور اس کے بعد انقلاب امامت یا سیاسی تبدیلی کی توقع کرے اور اس کی طرف آئے......لیکن چونکہ قیادت کے بعض عناصر 'سیاسی جدوجہد' کو 'عین اسلام' سمجھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور شائد صرف اصلاح فرد اور اصلاح معاشرہ پر قناعت کرنا ان کے لیے مشکل ہو لہٰذا ہم ان کی تالیف قلب اور ان کی موانست وعرف کا لحاظ رکھتے ہوئے مجبوراً یہ کہتے ہیں کہ چلیے آپ اصلاح فرد و معاشرہ اور انقلاب امامت کا کام بیک وقت کر لیجیے لیکن اس کے لیے تقسیم کار ضروری ہے ورنہ آپ کارکنوں کو صرف سیاسی جدوجہد میں لگائے رکھیں گے اور ان کو باور کرائیں گے کہ جو کام وہ کر رہے ہیں وہ عین اقامت دین ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کام کی ضرورت ہی نہیں۔لہٰذا تقسیم کار کے اصول پر عمل ضروری ہے۔ ہماری مرتبہ کتاب میں ڈاکٹر محمد امین صاحب مدیر البرہان کا ایک مضمون ''جماعت اسلامی کو سأۃ ثانیہ کی ضرورت ہے'' کے عنوان سے ہے جس میں تقسیم کار کے اصول پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی خود تو دعوت و تربیت کے ذریعے اصلاح فرد اور اصلاح معاشرہ کا کام کرے اور ساتھ ہی سیاسی جدوجہد کے لیے ایک سیاسی جماعت بھی بنا دے۔ یہ سیاسی جماعت برسر اقتدار آنے کے لیے وہی آئینی طریق کار اختیار کرے جس طرح ملک کی دوسری سیاسی جماعتیں کر رہی ہیں۔

جماعت کی قیادت کو اس امر کا ادراک کرنا چاہیے کہ وہ کیا مخمصہ اور تضاد ہے جس سے ہم اسے نکالنے کی تجویز دے رہے ہیں اور جو اس کی ناکامی کا بنیادی سبب ہے، وہ تضاد اور مخمصہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی عملاً ایک سیاسی جماعت کا کردار ادا کرنا چاہ رہی ہے جب کہ وہ محض ایک سیاسی جماعت نہیں ہے بلکہ وہ تو اقامت دین برپا کرنے کی ایک اصولی تحریک ہے۔ جب آپ اسے محض ایک سیاسی جماعت بناتے ہیں تو وہ صورت پیش آتی ہے کہ 'کوا چلا تھا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا' یہ فکری تضاد ناکامی پر منتج ہوتا ہے اور کارکن کو بھی کنفیوزڈ اور مایوس کرتا اور اس کے قوائے عمل کو شل کرتا ہے۔اس کا حل یہ ہے کہ آپ اس تضاد سے نکلنے اور کارکن کو دعوت و اصلاح کے کام میں لگایئے اور اس میں جوش و ولولہ ابھاریے کہ

''قرآن وسنت کی دعوت لے کر اُٹھو اور دنیا پر چھا جاؤ، ساتھ ہی دلچسپی رکھنے والے کچھ لوگوں کے لیے ایک سیاسی جماعت بنا دیجیے جو دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح انتخابات لڑے اور سیاسی جدوجہد کرے۔ اس سیاسی جماعت کی ذمہ داری دعوت وتربیت واصلاح کا کام نہ ہو بلکہ صرف سیاسی جدوجہد ہو۔ تقسیم کار کا یہ نظام ایک تدبیری نوعیت کا کام ہے اس سے جماعت کی شرعی اور نظریاتی حیثیت پر کوئی حرف نہیں آتا جیسے الاخوان المسلمون نے مصر میں اپنی ایک سیاسی جماعت بنالی اور وہ انتخابات جیت بھی گئی اور اخوان میں اسے معمول کی تدبیراتی کارروائی سمجھا گیا، اسے جماعت کی اصل سے انحراف کسی نے بھی نہیں کہا۔ تقسیم کار کا یہی اصول جماعت کو بھی اپنا لینا چاہیے۔

آخر میں گزارش ہے کہ ہم نے یہ تجاویز جماعت کی ہمدردی میں اس کی بہتری کے لیے پیش کی ہیں تاکہ جماعت اپنے مقاصد میں کامیاب ہوسکے لہٰذا انہیں تنقید وتنقیص سمجھ کر نظرانداز نہ کیا جائے بلکہ ان پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔ **وآخر دعوانا ان الحمد رب العالمین**

دینی تحریکیں

ڈاکٹر محمد امین

جدید دینی تحریکوں کی خدمت میں

مغربی جمہوریت کے ساتھ مفاہمت نے انہیں منزل سے دور کر دیا ہے

الاخوان المسلمون کے سربراہ حسن البنا مغربی قوتوں کے خلاف دبنگ موقف رکھتے تھے اور سید قطب مغربی فکر و تہذیب کے خلاف شمشیر براں تھے۔ سید مودودیؒ کا لہجہ اپنی تحریک کے ابتدائی برسوں میں مغربی تہذیب کے خلاف سخت تھا چنانچہ انہوں نے مغربی فکر کو خالص جاہلیت قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف زوردار مضامین لکھے اور انگریز کی نوکری کو غلط قرار دیا......لیکن قیام پاکستان کے بعد جب انہوں نے سیاست میں حصہ لینے کا اعلان کیا تو مغرب کی لادین جمہوریت کے ساتھ مفاہمت کر لی۔ اس کے لیے انہوں نے مغربی جمہوریت میں چند اسلامی اصول داخل کر کے اسے مشرف بہ اسلام کر لیا اور اسے 'اسلامی جمہوریت' قرار دے کر قبول کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ملک میں اسلام تو نہیں آیا البتہ مغربی فکر و تہذیب اور اس کے اصول و اقدار ہمارے معاشرے میں رائج ہو چکے ہیں جب کہ اسلامی قوانین جو جماعت اسلامی نے دوسری دینی قوتوں کے ساتھ مل کر بنوائے تھے، ان پر نہ عوام عمل کرتے ہیں نہ کوئی حکومتی ادارہ۔ وہ محض قانون کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ جماعت اسلامی (اور دیگر دینی سیاسی جماعتیں) اقتدار سے کوسوں دور ہیں، ان کا ووٹ بنک دن بدن سکڑ رہا ہے اور ان کی سٹریٹ پاور ختم ہو رہی ہے جب کہ ملکی سیاست سیکولر ہو چکی ہے اور سیاسی جماعتوں (پیپلز پارٹی، مسلم لیگ، تحریک انصاف، ایم کیو ایم، اے این پی......) میں سے کوئی نفاذ شریعت کی بات کرنے کے لیے بھی تیار نہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے مغربی تہذیب سے مفاہمت اور اس کی لادین جمہوریت میں معمولی تبدیلیوں سے اسے 'اسلامی جمہوریت' کہہ کر اسے قبول کرنے اور اس میں حصہ لینے کا۔

مصر میں الاخوان المسلمون نے بھی جماعت اسلامی کی طرح جمہوریت کو قبول کر لیا اور مظلومیت کی وجہ سے ہمدردی کا ووٹ لے کر انتخاب جیت بھی گئی لیکن مغربی آقاؤں سے ان کی جیت ہضم نہ ہوئی اور سیکولر فوج اور عدلیہ کی حمایت سے انہوں نے اخوان کو اقتدار سے محروم کر کے پھر ان پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا۔ اس سے پہلے الجزائر اور فلسطین کی اسلامی جماعتیں بھی انتخابات جیت گئی تھیں لیکن مغربی قوتوں

نے انہیں اقتدار میں آ کر کام نہیں کرنے دیا۔ سوال یہ ہے کہ پھر اس جمہوریت کا حاصل کیا ہے؟ سیکولرزم، بے دینی، افلاس اور معیشت کی تباہی، فحاشی وعریانی، طلاقوں کی کثرت اور معاشرے کا عدم استحکام، انصاف کی عدم فراہمی، مخلوط تعلیم، امن وسکون سے محرومی اور بحیثیت مجموعی اخلاقی زوال اور دین سے دوری۔ تو کیا وقت نہیں آ گیا کہ یہ جدید دینی تحریکیں اور ان کے قائدین مغربی تہذیب اور خصوصاً اس کی لادین اور سرمایہ دارانہ جمہوریت سے مفاہمت کی پالیسی پر نظر ثانی کریں؟

جب ہم جدید دینی تحریکوں کو جمہوریت اور اسلامی جمہوریت سے رجوع کی تجویز دیتے ہیں تو بعض لوگ فوراً سوال کرتے ہیں کہ پھر متبادل کیا ہے؟ کیا ہم ان سیکولر اور مغرب پرست حکمرانوں کو من مانیاں کرنے اور فساد و بگاڑ میں اضافہ کرنے کی کھلی چھٹی دے دیں؟ ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ مغربی جمہوریت کے خلاف اسلام ہونے ، پاکستان میں عملی تجربہ کہ اس اسلامی جمہوریت پر عمل سے ملک میں اسلام نہیں آ سکا اور اس کی جگہ مغرب کی ملحدانہ تہذیب کے اصول واقدار نے لے لی ہے، کی وجہ سے اس 'اسلامی جمہوریت' سے جان چھڑانے کا فیصلہ کرلیں تو اس کے تین نقد فائدے ہوں گے:

۱۔ اس بات سے مایوس ہوکر کہ اس طرح کی اسلامی جمہوری جدوجہد سے ملک میں اسلام نہیں آ سکتا اور شریعت نافذ نہیں ہوسکتی، وہ اس کے متبادل طریقوں پر غور کریں گے مثلاً وہ دعوت واصلاح، تعلیم وتربیت اور میڈیا کے کردار کو اہمیت دینا شروع کریں گے اور انہیں اسلامی مقاصد کے لیے استعمال کرنا شروع کریں گے اور معاشرتی تنظیم اور اداروں کے ذریعے اسلامی احکام پر عمل کی طرف ان کا رجحان بڑھے گا۔ جیسے مساجد و مدارس کے انتظام کی طرح اس اپروچ کی زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرف توسیع (جیسے خاتمۂ افلاس، بحالیٔ امن وانصاف اور فراہمیٔ انصاف۔

۲۔ انہیں دھیان آئے گا مسلمانوں کو مغربی فکر وتہذیب کے اصول واقدار سے بچانے کا جو مسلمانوں میں اخلاقی زوال اور دین سے دوری کا ایک بڑا سبب ہیں اور مسلمانوں کو اُن مغربی قوتوں کے استحصال اور ظلم سے بچانے کا جو بلاشک وشبہ اسلام اور مسلم دشمن ہیں۔

۳۔ مغربی جمہوریت میں چند اسلامی اصول داخل کر کے اسے اسلامی جمہوریت قرار دینا ہی مسئلے کا واحد حل نہیں ہے بلکہ اسلامی اصولوں میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی عصری تطبیق ممکن ہے اور دینی سیاسی جماعتیں اگر بطور پریشر گروپ کام کریں تو عوام کی قوت سے اس طرح کی بہت سی چیزیں اصرار کر کے منوائی جاسکتی ہیں جیسے سود اور فحاشی پر پابندی، متناسب نمائندگی کا اصول یا انتخاب کا کوئی دوسرا ماڈل (بطور نمونہ ایک دوسرا ماڈل، البرہان کے موجودہ شمارے ہی میں شائع کیا جارہا ہے۔ جو مغربی

طریق انتخاب کی بہت سی خرابیوں سے ہمیں بچا سکتا ہے اور مسئلے کا ایک معقول حل ہے)۔

ان تینوں امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور ان کے لیے جد و جہد کرتے ہوئے اور اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ اس اسلامی جمہوریت سے معاشرے میں اسلام نافذ نہیں ہوگا عارضی طور پر مجبوراً اس جمہوریت کو قبول کیا جا سکتا ہے تا کہ سیاست سے باہر رہنے کے ممکنہ مضرات سے بچا جا سکے۔

اس وضاحت کے بعد ہم جدید دینی تحریکوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ مغرب کی ملحدانہ تہذیب اور اس کی لادینی اور سرمایہ دارانہ جمہوریت سے مفاہمت پر مبنی 'اسلامی جمہوریت' سے رجوع کرنے پر بہت سنجیدگی سے غور کریں کہ اس فیصلے میں مزید تاخیر ہماری دینی اور ملی زندگی کے لیے مزید اضرار کا باعث بنے گی۔

پاکستانیات ڈاکٹر محمد امین

فرقہ واریت کا عفریت

پاکستان اور عالم اسلام کے خلاف مغربی سازشیں

ہم ہر ماہ پاکستان اور عالم اسلام کے سیاسی حالات پر لکھنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے لیکن حالات اتنے دگرگوں بلکہ تباہ کن ہیں کہ چیخ چیخ کر لوگوں کو بتانے کو جی چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے؟

دوسری جنگ عظیم میں یورپ اپنی تباہی و کمزوری کے بعد مجبور ہو گیا کہ وہ اپنے مسلم مستعمرات کو (کچھ) سیاسی آزادی دے چنانچہ اس نے امن کا چولا پہن لیا اور اسلام و مسلم دشمنی کے جارحانہ منصوبے پُرامن منصوبوں میں بدل دیے۔ اس پلاننگ میں بھی اسے خاصی کامیابی ملی اور اس نے مسلم حکمرانوں کو اپنے گماشتے بنا کر تعلیم، میڈیا، سیاست (جمہوریت، آئین، پارلیمنٹ، نیشنل ازم) معیشت (سودی اور قرض کی معیشت......) قانون، عدلیہ......غرض ہر شعبۂ زندگی میں اپنے اصول و اقدار مسلم معاشرے میں مروج کرا دیے اور مسلمانوں کو ان وسائل سے کامیابی سے محروم کر دیا جو ان کو اٹھنے اور مضبوط ہونے میں مدد دے سکتے تھے جیسے سیاسی اور معاشی استحکام، ہیوی انڈسٹری اور اسلحہ سازی میں خود کفالت، مسلم کرنسی اور تجارت، مسلم ریاستوں میں اتحاد...... وغیرہ لیکن اس سب کے باوجود کچھ مسلم ممالک مضبوط ہو گئے جیسے عراق، پاکستان، ملائشیا وغیرہ۔ چنانچہ امریکہ، یورپ اور اسرائیل (یعنی یہود و نصاریٰ) کو یہ گوارا نہ ہوا اور انہوں نے ہر قیمت پر عالم اسلام کی بیخ کنی کا تہیہ کر لیا خصوصاً اسرائیل چونکہ اپنے ہمسائے میں کسی طاقتور مسلم ملک کو برداشت نہیں کرتا لہٰذا انہوں نے پہلے عراق کو ایران سے لڑایا، پھر عراق سے کویت پر حملہ کرا دیا اور اس بہانے امریکہ و یورپ نے عراق پر حملہ کر دیا۔ افغانستان کی ٹھیٹھ انداز میں نفاذ شریعت پر تلی ہوئی حکومت اور ایٹمی و اسلامی پاکستان کو کمزور کرنے اور توڑنے کے لیے نیز امریکہ و یورپ میں تیزی سے پھیلتے ہوئے اسلام کا رستہ روکنے کے لیے اسرائیلی موساد اور امریکی سی آئی اے نے ۹/۱۱ کا ڈرامہ رچایا۔ افغانستان کو تباہ کیا اور تب سے پاکستان کے خلاف اسلحی اور تزویراتی سرگرمیاں جاری ہیں۔ افغانستان سے ملحق قبائلی علاقوں، بلوچستان اور کراچی میں امریکہ و بھارت مقامی

آبادی میں اپنے گماشتے تیار کر چکے ہیں اور ان کے گھس بیٹھنے اور مقامی ایجنٹ پاکستان بھر میں دہشت گردانہ کارروائیاں کر رہے ہیں۔ امریکہ براہ راست بھی ڈرون حملے کر رہا ہے۔ مشرقی سرحد پر بھارتیوں اور مغربی سرحد پر افغانیوں کے حملے جاری ہیں۔ فوج کو قبائلی علاقوں اور وزیرستان وغیر میں بھی ان کے بھیجے ہوئے مداخلت کاروں اور ان کے مقامی جتھوں کے ساتھ لڑنا پڑ رہا ہے اور اب تو ایرانی سرحد سے بھی گولا باری شروع ہو چکی ہے گویا پاکستان کا گھیرا مکمل ہو چکا ہے اور اس کی فوج کو مختلف محاذوں پر منتشر اور مصروف کر دیا گیا ہے۔ معاشی اور سیاسی عدم استحکام بھی دن بدن گھمبیر ہو رہا ہے، عمران خاں اور طاہر القادری کے دھرنے اور متحدہ کے علیحدہ صوبے کے مطالبے کو بھی بعض لوگ اسی تناظر میں دیکھتے ہیں۔

اس معاملے کا ایک نازک اور خطرناک پہلو یہ ہے کہ دشمن نے بڑی زیرکی سے مسلمانوں کو باہم لڑانے اور کمزور و تباہ کرنے کا نسخہ (فرقہ وارانہ منافرت) دریافت کر کے اس پر کامیابی سے عمل شروع کر رکھا ہے اور ہماری نالائقی اور بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے اہل مغرب کے اس منصوبے کو آنکھیں بند کر کے اپنے مسلکی مفادات کی خاطر قبول کر لیا ہے۔ ایران جو ماضی قریب تک اتحاد بین المسلمین اور اتحاد بین المسالک کا علم بردار رہا ہے بدقسمتی سے شیعیت کی اشاعت وفروغ کے لیے اس جال میں پھنس چکا ہے۔ پہلے اس نے عراق میں امریکی اجارہ داری اس شرط پر قبول کر لی کہ وہاں حکومت شیعوں کو دے دی جائے، پھر اس نے شام میں اسد کی ظالم شیعی اقلیتی حکومت کی اسلحہ و پیسے سے اور سیاسی حمایت شروع کر دی۔ لبنان میں حکومت میں شیعوں کو وافر حصہ اور حزب اللہ پہلے سے موجود ہے۔ بحرین میں شیعہ مزاحمت کو وقتی طور پر سنی حکمرانوں نے دبا دیا ہے لیکن آگ بدستور سلگ رہی ہے۔ یمن میں ایرانی حمایت سے شیعہ کے مسلح گروپ حکومت کو ناکام کر کے دارالحکومت صنعا پر قبضہ کر چکے ہیں اور اب وہاں ان کی مرضی کی حکومت ہی چلے گی۔ پاکستان جیسے ملک میں بھی جہاں شیعہ معمولی اقلیت ہیں وہ خاصے متحرک ہیں۔

یہ تو اہل تشیع کے حالات تھے۔ دوسری طرف دیکھیے تو سنی ممالک میں بھی امریکی و یہودی سازشیں عروج پر ہیں اور کامیاب بھی۔ کویت پر عراقی حملے کے دنوں میں امریکہ نے یہ کہہ کر اپنی فوجیں سعودیہ کے مشرقی وشمالی بارڈر پر اتار دیں کہ اس کی سلامتی کو خطرہ ہے۔ یاد رہے کہ تیل کے کنویں بھی زیادہ تر اسی علاقے میں ہیں۔ اب جب کہ عراق میں شیعی حکومت ہے اور یمن میں بھی ایران کا حمایت یافتہ شیعی گروپ غالب آ گیا ہے تو امریکہ سعودی عرب، کویت اور امارات کو شیعی ہوّا دکھا کر ان کو ڈرا رہا ہے اور مختلف اسکیمیں اور تجزیے پیش کر کے ان پر عمل کرا رہا ہے اور حفاظت خود اختیاری کے خوف میں مبتلا یہ ممالک اس کے چنگل میں پھنس رہے ہیں۔ امریکہ، یورپ و اسرائیل کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف

سازشوں کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ سنی مزاحمتی گروپوں (داعش، القاعدہ......وغیرہ) کی درپردہ حمایت کر کے ان کی پیٹھ ٹھونک رہا ہے اور دوسری طرف انہیں عراق وشام وغیرہ میں شیعوں سے لڑا رہا ہے تو تیسری طرف ان کو سعودیہ، اردن اور امارات وغیرہ میں ہوّا بنا کر پیش کر رہا ہے کہ وہ ان کے لیے بھی خطرہ ہے اور چوتھی طرف ان کی شدت پسندی اور دہشت گردی کو انتہائی خوفناک بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے اور ’مہذب‘ اور ’امن‘ کے علم بردار ممالک کی مدد سے ان پر حملے بھی کر رہا ہے۔

اس تناظر کا عکس پاکستان پر بھی پڑ رہا ہے۔ امریکہ، یورپ اور اسرائیل لابی کو یہاں بھارت کی صورت میں پاکستان کا ایک متعصب دشمن بھی مل گیا ہے، افغانستان پہلے ہی ان کے ہاتھ میں ہے اور ایران کا قارورہ بھی اہل مغرب سے مل رہا ہے تو یہ صورتِ حال پاکستانی بقاء کے لیے سخت خطرناک ہے۔ قبائلی علاقوں، بلوچستان اور کراچی میں شورش وہنگامے زور وشور سے جاری ہیں اور خاص کر شیعہ سنی فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دی جارہی ہے۔

سنی متحدہ محاذ

ان حالات میں بعض سنی علماء کی یہ اپروچ غلط اور خطرناک ہے کہ شیعوں کے خلاف سنی متحدہ محاذ بنایا جائے اور سارے غیر شیعی عناصر کو اس میں جمع کیا جائے۔ یہ تو محاذ آرائی کو بڑھانے والی بات ہے اور اہل تشیع کا مقابلہ کرنے کی تیاری ہے حالانکہ عقل سلیم اور بردباری کا تقاضا یہ ہے کہ فرقہ واریت کی اس آگ کو ٹھنڈا کیا جائے اور پھیلنے سے روکا جائے، ملی سطح پر بھی اور پاکستان کی سطح پر بھی۔ کاش او آئی سی فعال ہوتی تو اس کے صدر و سیکرٹری سے ہم مطالبہ کرتے کہ وہ ایران وسعودی عرب وغیرہ کے سربراہوں کو اکٹھا کریں، ان کی غلط فہمیاں دور کرائیں اور ان کو ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی سے روکیں لیکن دشمن اتنا عیار اور زیرک ہے کہ ایک طرف وہ آگ لگا رہا ہے اور دوسری طرف اس نے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ آگ بجھانے والا کوئی نہ ہو چنانچہ او آئی سی، رابطہ عالم اسلامی اور موتمر عالم اسلامی سب لمبی تان کے سو رہے ہیں اور امت کی سطح پر کوئی ایک ادارہ بھی ایسا نہیں جو اصلاح احوال کی کوئی کوشش کر سکے، اس فرقہ واریت کی آگ کو ٹھنڈا کرے اور مسلمانوں کی باہم محاذ آرائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔

پاکستان میں بھی ضرورت ’سنی متحدہ محاذ‘ کی نہیں کہ شیعوں کا بہتر مقابلہ ہو سکے بلکہ پہلے سے جو شیعہ سنی گروپ لڑ رہے ہیں، ان کو سمجھانے کی ہے کہ خدارا ہوش سے کام لو، دوسروں کی لگائی ہوئی آگ سے اپنا گھر نہ پھونکو۔ ایک دوسرے کے آدمی قتل کرنے سے کون سا مسئلہ حل ہو جائے گا؟ عقیدے کا اختلاف تو چودہ صدیوں سے موجودہ ہے، اس کو برداشت کرنا سیکھو اور اگر کوئی تازہ مسئلہ ہے تو اس پر امن

وسکون سے بیٹھ کر غور کرو اور اس کا حل دریافت کر کے پرامن طریقے سے اس پر عمل کرو۔ ملی مجلس شرعی کی خدمات اس مقصد کے لیے حاضر ہیں۔ مجلس پہلے بھی اپنے اجلاسوں میں شیعہ سنی علماء کرام کو اکٹھا بٹھاتی رہی ہے اور مشترکات میں دونوں گروہ ایک دوسرے سے تعاون کرتے رہے ہیں۔ اسی فضا کو مزید بڑھانے اور موثر بنانے کی ضرورت ہے۔ تفرقے، انتشار اور گردن زدنی سے آج تک کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا بلکہ اس سے مسائل ومصائب بڑھتے ہیں کم نہیں ہوتے لہٰذا ہم اہل سنت اور اہل تشیع کے معتدل مزاج اور سلیم الطبع علماء کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے موقف میں نرمی پیدا کریں اور صلح صفائی سے فضا کو بہتر بنانے کی کوشش کریں اور ان بیرونی اور اندرونی کاوشوں کی حوصلہ شکنی کریں جو حالات کو بگاڑنا چاہتی ہیں اور انہیں آپس میں لڑانا چاہتی ہیں۔ **واعتصمو بحبل اللہ جمعیا و لاتفرقوا** کی آیت محض تلاوت کرنے اور وعظ کرنے کے لیے نہیں اتری عمل کے لیے اتری ہے لہٰذا اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

مغالطے

ڈاکٹر محمد امین

سیکولرزم کا مطلب لادینیت ہے، الحاد اور بے دینی نہیں

معروف اسلامی سکالر پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد کہتے ہیں:

مندرجہ بالا الفاظ جوانہوں نے نے جریدہ 'مغرب اور اسلام' شمارہ ۳۹ (جلد ۱۶ شمارہ ۱، ۲۰۱۳ء) کے اداریے میں کہے ہیں۔ اس شمارے کا عنوان ہے 'مغربی افکار اور آج کی مسلم دنیا۔ ڈاکٹر صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سیکولرزم کا مطلب ہے لادینیت یعنی اجتماعی زندگی میں کسی بھی مذہب پر عمل نہ کرنا۔ انفرادی زندگی میں ہر شخص کو اس کے مذہب پر عمل کی آزادی ہونا اور اسے ان کے خیال میں لادینیت کہنا چاہیے اور اسے الحاد اور بے دینی سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیے کیونکہ سیکولرزم مذہب کا کلی انکار نہیں کرتا۔

ہم کہتے ہیں یہی غلط فہمی اور مغالطہ انگیز ہے۔ مغرب جس چیز کو سیکولرزم اور لادینیت کہتا ہے ہمارے نزدیک وہ عین بے دینی اور الحاد ہے کیونکہ اسلام 'مذہب' نہیں 'دین' ہے۔ یہ پوری زندگی کے لیے ہدایت ہے خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی۔ یہ عقیدہ اور نظریہ ہی نہیں شریعت بھی رکھتا ہے۔ اسلام میں ایسے 'اللہ' کا تصور ہی نہیں جس کی ایک صفت تو ہم مانیں اور دوسری نہ مانیں مثلاً کیا آپ اس شخص کو مسلمان کہیں گے جو اللہ کو خالق تو مانتا ہو لیکن اسے رب نہ مانتا ہو۔ ہرگز نہیں! جو شخص اللہ کی کسی ایک صفت کا انکار کرتا ہے وہ گویا اللہ کی ساری صفات کا انکار کرتا ہے۔

اسی طرح ہم مسلمان سارے انبیاء کو سچا مانتے ہیں اور کسی ایک کا انکار نہیں کرتے کیونکہ ایک نبی کا انکار سارے انبیاء کے انکار کے مترادف ہے چنانچہ ایک مسلمان اگر حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر نہ مانے تو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔ حضرت عیسیٰؑ اور موسیٰؑ کے ماننے والوں کو ہم غیر مسلم اور کافر اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ دوسرے پیغمبروں کو تو مانتے ہیں لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر نہیں مانتے۔ گویا ایک پیغمبر کا انکار سارے پیغمبروں کا انکار ہے جس طرح کہ اللہ کی ایک صفت کا انکار اس کی دیگر ساری صفات کا بھی انکار ہے۔ لہٰذا جو شخص سیکولرزم کی حقیقت کو سمجھ کر اسے صحیح سمجھتا ہو وہ ہرگز مسلمان نہیں ہوسکتا اور جو مسلمان ہو وہ سیکولر نہیں ہوسکتا کیونکہ اسلام اور سیکولرزم دونوں ایک دوسرے کے نقیض ہیں۔ وہ ایک شخص میں جمع ہو ہی نہیں سکتے

اور اگر کوئی شخص دنیا کو اور انسانوں کو دھوکہ دے کر اپنا نام مسلمان قوم میں لکھوائے بھی رکھتا ہے تو اللہ کے نزدیک وہ بہرحال مسلمان نہیں ہے کیونکہ لغت اور اصطلاح میں 'مسلم' کہتے ہی اس شخص کو ہیں جو'اسلام' قبول کرے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت بلاچوں و چرا کرے اور اس کے سامنے بلاشرط سرِتسلیم خم کرے۔ لہٰذا جو شخص کہے کہ اے اللہ! میں تیری بات انفرادی زندگی میں تو مانوں گا لیکن اجتماعی زندگی میں نہیں مانوں گا تو وہ شخص ہرگز 'مسلم' نہیں وہ لغتاً اور اصطلاحاً مسلم ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ ایک شخص بیک وقت مسلم اور سیکولر (یعنی سیکولرزم میں یقین رکھنے والا) ہوسکتا ہے وہ ایک ناممکن بات کہتے ہیں کیونکہ یہ جمع اضداد ہے جو ممکن نہیں جیسے آگ اور پانی بیک وقت جمع نہیں ہو سکتے۔

خلاصہ یہ کہ اہل مغرب کے نزدیک یقینا سیکولرزم لادینیت کے مترادف ہے لیکن اس کے برعکس ہم مسلمانوں کے نزدیک سیکولرزم کے معنی یقینا بے دینی اور الحاد کے ہیں اس لیے کہ سیکولرزم کو سمجھنے اور ماننے کے ہمارے اور مغرب کے پیمانے مختلف ہیں کیونکہ ہمارا اسلام 'دین' ہے جو عقیدہ بھی ہے اور شریعت بھی جب کہ مغرب کی عیسائیت میں شریعت ہے ہی نہیں اور اگر کچھ تھی بھی تو وہ اسے فارغ خطی دے چکے ہیں اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مغرب کی جدیدیت اور اس کی موجودہ تہذیب عیسائیت کو روند کر غالب آئی ہے جب کہ مسلمانوں کے ہاں ان کی تہذیب ان کے دین کی پیداوار ہے اور ان کا دین ان کے ہر فکری و تہذیبی نظریے اور مظہر پر غلبے کا مدعی ہے۔ غرض یہ کہ اسلام کی رو سے سیکولرزم عین بے دینی اور الحاد ہے اور کوئی مسلمان ہوتے ہوئے سیکولرزم میں یقین رکھ ہی نہیں سکتا۔

دینی مغالطے

ڈاکٹر محمد امین

بعض علماء، قراء اور عامۃ الناس کا مغالطہ کہ

ناظرہ قرآن پڑھنا کافی ہے

مغالطہ وہ غلط بات ہوتی ہے جسے کوئی شخص گروہ یا طبقہ کسی وجہ سے صحیح سمجھ کر اسے دوسروں کو باور کرانے لگے۔سوئے فہم سے اسے صحیح سمجھتے ہوئے یا سوئے نیت سے۔ یہاں دینی مغالطوں کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ متعلقہ لوگ ان پر شعوری طور پر متنبہ ہو کر اپنی اصلاح کر لیں اور ان سے باز آ جائیں۔

ہمارے ہاں عامۃ الناس کا ایک بڑا دینی مغالطہ یہ ہے کہ وہ ناظرہ قرآن پڑھنے کو کافی سمجھتے ہیں۔ ناظرہ قرآن پڑھنے سے مراد ہے قرآن کی عربی عبارت کو بغیر ان کے معانی سمجھے پڑھنا۔یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں عوام کی بہت بڑی اکثریت قرآن کو بغیر سمجھے پڑھتی ہے اور اسے عیب اور نقص نہیں گردانتی بلکہ اس پر مطمئن ہے کہ اسے قرآن پڑھنا آتا ہے اور وہ ساری زندگی اسی طرح قرآن پڑھتی رہتی ہے۔

پیشتر اس کے کہ ہم اس مغالطے کے اسباب، نقصانات اور علاج پر گفتگو کریں، یہ ذہن میں رہے کہ ساری دنیا میں کوئی شخص کوئی بھی زبان سیکھے اس میں چار مہارتیں درکار ہوتی ہیں: ۱۔بولنا ۲۔سننا (یعنی سن کر سمجھ لینا) ۳۔ پڑھنا (یعنی پڑھ کر سمجھ لینا) اور ۴۔لکھنا (یعنی املاء اور انشاء)۔ ہمارے ہاں طرفہ تماشا یہ ہے کہ دینی مدارس میں علماء کرام برسوں عربی زبان (صرف، نحو، بلاغہ، نثر، شاعری) پڑھتے ہیں لیکن یہ چاروں مہارتیں نہیں سیکھ پاتے۔ زبان سکھانے کا منہج اتنا ناقص ہے کہ بولنے اور انشاء کی مہارتوں سے ہمارے علماء کرام کی بہت بڑی اکثریت تازندگی نابلد رہتی ہے اور جہاں تک عامۃ الناس کا تعلق ہے تو علماء اور قراء حضرات جو عربی انہیں سکھاتے ہیں اس سے نہ انہیں عربی بولنی آتی ہے، نہ وہ سن کر سمجھ سکتے ہیں، نہ وہ عربی لکھ سکتے ہیں صرف انہیں عربی پڑھنا سکھائی جاتی ہے بغیر معانی سمجھے اور وہ بھی بالعموم غلط مخارج کے ساتھ۔ گویا بظاہر انہیں قرآن پڑھنا آتا ہے لیکن دراصل نہ وہ صحیح عربی پڑھ سکتے ہیں اور نہ جو پڑھے اسے سمجھ سکتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ کیا اس سے عربی 'پڑھنے' کا حق ادا ہو جاتا ہے؟ یہی حال نماز کا ہے کہ کروڑوں مسلمان روزانہ دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھتے ہیں لیکن ان کی بہت بڑی اکثریت (جو عجمی ہے) یہ نہیں سمجھتی کہ وہ کیا پڑھ رہی ہے؟ چنانچہ نمازیں بالعموم کیفیت حضوری اور خضوع وخشوع سے عاری ہوتی ہیں اور قرآن رٹو طوطے کی طرح (سٹیریوٹائپ انداز میں) پڑھ لیا جاتا

ہے اور پڑھنے والے پر بالعموم کوئی اثر نہیں ہوتا۔ نہ اسے آیات انذار کا پتہ چلتا ہے کہ خشیت سے روئے اور کانپے اور نہ آیات بشارت کا پتہ چلتا ہے کہ خوش اور شکر گزار ہو، اور نہ پڑھنا اس کی خرد افروزی، علم میں اضافے بلکہ صحیح علم کے حصول کا سبب بنتا ہے اور نہ اس سے اس کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے کہ عبادت و اطاعت کی زندگی گزارے۔ ظاہر ہے اس میں قصور عامۃ الناس کا اتنا نہیں جتنا علماء وقراء حضرات کا ہے جو انہیں صحیح نہج سے قرآنی عربی سکھاتے ہی نہیں۔

اس مغالطے کے اسباب کیا ہیں؟ ایک بڑا سبب یہ ہے کہ علماء کرام وقراء حضرات عوام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث مبارک سناتے رہتے ہیں کہ قرآن پڑھنے کا ثواب بہت زیادہ ہے اور قرآن کا ہر حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور الم ایک نہیں تین حروف ہیں۔ ظاہر ہے یہ بہت بڑی بشارت اور خوش خبری ہے کہ قرآن حکیم کی تلاوت کا اتنا زیادہ ثواب ہے چنانچہ لوگ اس ثواب کی خاطر تلاوت قرآن کو اپنا معمول بنائے رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ حدیث صحیح ہے چنانچہ تلاوت قرآن بلاشبہ ایک محمود عمل ہے اور بہرحال فائدے سے خالی نہیں اور اگر ہم نے بغیر سمجھے قرآن پڑھنے پڑھانے پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا تو ممکن ہے ان علماء کرام وقراء حضرات کو یہ ناگوار گزرے جو بغیر سمجھے لوگوں کو قرآن پڑھانے کے عادی ہیں اور ان عوام کو بھی اس سے صدمہ پہنچے جو ساری عمر بغیر سمجھے قرآن پڑھتے رہتے ہیں لیکن ہم مجبور ہیں کہ حق بات کہیں خواہ تلخ ہی ہو اور وہ یہ ہے کہ **اولاً** شارع نے قرآن حکیم صرف ثواب کی خاطر نازل نہیں کیا بلکہ بنیادی طور پر قرآن حکیم کتاب ہدایت ہے اور آدمی اس سے ہدایت پا سکتا ہے جب وہ اسے سمجھ کر پڑھے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرے لیکن جو اسے سمجھ کر نہیں پڑھتا وہ اس پر عمل کیسے کرے گا؟ **ثانیاً:** شارع نے جب قرآن پڑھنے پر ثواب کا ذکر کیا تو یہ تخصیص نہیں کی کہ بغیر سمجھے پڑھنے پر بھی ثواب ملے گا بلکہ یہ کہا کہ پڑھنے پر ثواب ملے گا اور جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا کہ کوئی زبان پڑھنے سے مراد بالعموم سمجھ کر پڑھنا ہوتا ہے۔

یہاں یہ ذہن میں رہے کہ امام عز بن عبدالسلام اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ثواب کی احادیث کی حکمت پر بحث کرتے ہوئے ان فوائد کا ذکر کیا ہے جو اس سے شارع کو مطلوب ہوتے ہیں مثلاً کثرت ذکر کی فضیلت اور کثرت ثواب کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو اللہ کی کبریائی اور اس کی قدرت و ہیبت اور اپنی عبدیت اور کمزوری ہر وقت یاد رہے اور وہ غفلت و معصیت سے بچا رہے اور اللہ کے حضور میں رہنے کی کیفیت (احسان) اس پر طاری رہے۔ اسی طرح شارع نے تلاوت قرآن پر کثرت ثواب کا ذکر کیا تو اس کی حکمت یہ ہے کہ قرآن کتاب اللہ اور کلام اللہ ہے، اس سے انسان کو صحیح علم حاصل ہوتا ہے، اس سے عقائد کی تصحیح ہوتی ہے، اعمال صالحہ کی ترغیب ملتی ہے، آخرت کی نعمتوں اور عذاب کے ذکر سے

اسے انذار و بشارت کی خبر ملتی ہے، اس کا دل نرم ہوتا ہے اور اس کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے...... اور ظاہر ہے یہ ساری نعمتیں تلاوت قرآن سے اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جب انسان قرآن کو پڑھے اور اسے سمجھ رہا ہو اور ان میں سے اکثر نعمتوں سے وہ اس وقت محروم ہو جاتا ہے جب وہ قرآن کو بغیر سمجھے پڑھے۔ لہٰذا یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ جو آدمی قرآن حکیم کی بغیر سمجھے پڑھتا ہے تو شاید وہ اس ثواب کا حق دار نہ ہو جس کی آنجناب ﷺ نے بشارت دی ہے کہ درحقیقت اس کا شمار 'پڑھنے' والوں میں ہوتا ہی نہیں کیونکہ زبان سیکھنے میں عرف عام یہ ہے کہ پڑھنے سے مراد سمجھ کر پڑھنا ہے نہ کہ بغیر سمجھے پڑھنا...... کیونکہ نہ سمجھ کر پڑھنے والا ان سارے فوائد سے محروم ہو جاتا ہے جن کا ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا اور جو درحقیقت موجب تشریع ہیں۔

یاد رہے کہ فقہاء نے بغیر سمجھے عربی الفاظ ادا کر دینے سے نماز ہو جانے کا جو فتویٰ دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے نماز قانوناً ادا ہو جاتی ہے اور ایسے شخص پر یہ حکم نہیں لگایا جائے گا کہ اس نے نماز گویا ادا ہی نہیں کی لیکن اس کا یہ مطلب کب ہے کہ عربی عبارت کو سمجھے بغیر نماز پڑھنا مطلوب یا مستحسن ہے یا یہ ایک روٹین کی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی الفاظ کو سمجھے بغیر ادا کرنے سے اکثر نمازیوں کی نمازیں ان فوائد وصفات سے محروم ہو جاتی ہیں جن کے حصول کے لیے نماز مشروع کی گئی ہے یعنی خضوع و خشوع، ارکان نماز کی صحیح ادائیگی، تبتل الی اللہ اور کیفیت حضوری کہ ہم اللہ کے حضور حاضر ہیں، اس سے ہم کلام ہیں، اس کی مناجات کر رہے ہیں، اس سے مغفرت طلب کر رہے ہیں، اس سے مانگ رہے ہیں، ہم حقیر عبد ہیں، وہ ہمارا آقا و مولی ہے اور ہم اس کے آگے ہاتھ باندھے غلاموں کی طرح کھڑے ہیں اور اس کے آگے ماتھا ٹیک رہے ہیں۔ یہ ساری کیفیات کیونکہ پیدا ہو سکتی ہیں جب تک آدمی کو پتہ نہ ہو کہ وہ اللہ سے کیا کہہ رہا ہے اور محض بے روح انداز میں بغیر سوچے سمجھے عربی کے الفاظ ادا کر کے وہ مکینکل انداز میں ایک رسم پوری کر کے مسجد سے باہر آ جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ آج ہمارے عوام کی بے علمی، غلط عقائد اور اعمال صالحہ منصوصہ و مسنونہ کی کمی کا سبب سے بڑا سبب یہ ہے کہ لوگ قرآن سمجھ کر نہیں پڑھتے۔ اسی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ وہ بسا اوقات کم علم اور مسلک پرست واعظوں کی کچی پکی باتوں کو عین دین سمجھ لیتے ہیں، اور دین کے بنیادی مآخذ یعنی قرآن و سنت تک ان کی رسائی ہی نہیں ہوتی لہٰذا ساری زندگی کچی روٹی اور پکی روٹی کے مسائل سنتے اور ان پر عمل کرتے ان کی زندگی گزر جاتی ہے اور قرآن وسنت کے چشمہ صافی سے استفادہ کی اہلیت نہ رکھنے کی وجہ سے وہ اس کے آب حیات سے محروم رہ جاتے ہیں۔ پس یہ ایک بڑی محرومی ہے، اسے ہلکا سمجھنا غلط ہے اور اس کا علاج نہ کرنا بے عقلی ہے اور سنجیدہ و ثقہ علماء کرام کو چاہیے کہ وہ اس صورتِ حال کے جاری رہنے

کی حمایت نہ کریں۔

ہم تلاوت سے ثواب کا انکار نہیں کرتے لیکن ناظرہ پر اکتفا کرنے والے طریق تدریس سے مسلمان طلبہ و طالبات دوسرے بہت سے دینی فوائد سے محروم رہ جاتے ہیں لہٰذا ہم علماء کرام اور قراء حضرات سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بچوں کو قرآن ناظرہ پڑھا کر چھوڑ نہ دیں، بلکہ ان کو لازماً قرآن کا لفظی اور بامحاورہ ترجمہ پڑھائیں تاکہ طلبہ و طالبات قرآن حکیم کو سمجھ سکیں اور ان پر وہ اثرات مرتب ہوں جو قرآن پڑھنے سے شریعت کو مطلوب ہیں۔اس کے ساتھ ہی وہ ان کے مخارج درست کرنے کی طرف بھی توجہ دیں تاکہ وہ غلط قرآن نہ پڑھیں۔ بلکہ پہلے ناظرہ پڑھانے اور اس کے بعد ترجمہ پڑھانے کی بجائے مناسب ہوگا کہ طریق تدریس اور نصاب تدریس بدل دیا جائے اور ایسے قاعدے اور پرائمر مدون کیے جائیں اور اس انداز سے پڑھائے جائیں کہ جس سے طلبہ قرآنی عربی اس طرح سیکھیں کہ وہ ساتھ ساتھ اسے سمجھ بھی رہے ہوں۔

ہم علماء کرام اور قراء حضرات سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہماری ان گزارشات پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں اور دین کے وسیع تر مفاد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہماری اس تجویز کو قبول فرمائیں کہ مسلمان طلبہ کو خالی ناظرہ قرآن پڑھانے اور بغیر معانی بتائے نماز سکھانے کی روش ترک کردیں اور مسلمان عوام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو ناظرہ قرآن تک محدود رکھنے کی بجائے قرآن حکیم کا لفظی و بامحاورہ ترجمہ انہیں ضرور پڑھوائیں۔اسی طرح نماز کا ترجمہ بھی انہیں ضرور سکھائیں تاکہ قرآن اور نماز پڑھنے کے ان فوائد سے وہ متمتع ہوسکیں جن کے لیے شریعت نے ان احکام کا حکم دیا ہے۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ علماء کرام و قراء حضرات اور عوام میں سے پڑھے لکھے اور سمجھ دار لوگ اس بات کے حق میں تحریک چلائیں کہ آج کے بعد کوئی مسلمان بچہ بغیر ترجمے کے قرآن نہ پڑھے اور بغیر معنی جانے نماز یاد نہ کرے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

محمد آصف سہارنپوری

مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کا ایک خوفناک منصوبہ جو بیسویں صدی کے اوائل میں تیار کیا گیا اور اس کے اثرات آج پوری دنیا میں واضح نظر آتے ہیں

حویلی کا راز

دورانِ سفر ایک صاحب سے میں نے دریافت کیا: ''کیا آپ نے سلمان رشدی کی لکھی ہوئی کتاب 'شیطانی آیات' پڑھی ہے......؟ اس میں کیا لکھا ہے جو اس قدر مخالفت ہورہی ہے؟' انہوں نے کہا: 'پڑھی تو میں نے بھی نہیں مگر سنا ہے کہ اس کتاب میں میں حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت توہین [خاکم بدہن] کی گئی ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے اس قدر احتجاج کیا جارہا ہے۔' دوران گفتگو انہوں نے کہا کہ مجھے ایک پرانا قصہ یاد آ گیا۔ وہ قصہ یوں ہے:

'میرے ایک دوست جو علی گڑھ میں نواب چھتاری کے ہاں کسی اونچی ملازمت پر تعینات تھے اور نواب صاحب ان سے کافی بے تکلف تھے، انہوں نے یہ واقعہ سنایا کہ نواب صاحب ہندوستان کی تقسیم سے پہلے انگریزوں کے بڑے بہی خواہ تھے۔ وہ مسلم لیگ اور کانگریس پارٹی سے بالکل لاتعلق تھے اور سیاست میں انگریزوں کے ہر طرح مددگار تھے۔ اسی لیے انگریزی حکومت نے ان کو یوپی کا گورنر بنادیا تھا۔

ایک بار برطانوی حکومت نے سب ہندوستانی صوبوں کے گورنروں کو مشورے کے لیے انگلستان بلایا تو نواب صاحب بھی بحیثیت گورنر انگلستان گئے۔ یہاں علی گڑھ کا جو بھی کلکٹر نیا آتا تھا ان سے برابر ملتا رہتا تھا اور کبھی کبھی آگرہ کا کمشنر بھی۔ ان سب افسروں کے نواب صاحب سے عمدہ تعلقات تھے۔ جب نواب صاحب لندن پہنچے تو جو کلکٹر اور کمشنر ان کے پرانے ملاقاتی تھے، اور ریٹائر ہوکر انگلستان چلے آئے تھے، جب انہیں نواب صاحب کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ ملنے آئے ان میں سے ایک کلکٹر جو نواب صاحب سے بہت مانوس تھا اس نے کہا 'نواب صاحب......! آپ یہاں تشریف لائے ہیں تو آیئے، میں آپ کو یہاں کے عجائب خانے دکھادوں جن میں ہزاروں برس پرانی ایسی ایسی چیزیں ہیں جو

آپ نے کبھی دیکھی نہ سنی ہوں گی'۔نواب صاحب نے کہا: 'عجائب خانے تو میں نے سب دیکھ لیے۔ حکومت نے دکھا دیئے اور یہاں جو بھی آتا ہے، یہ دیکھ کر ہی جاتا ہے، البتہ اگر تم کچھ دکھانا چاہتے ہو تو ایسی چیز دکھاؤ جو یہاں سے اور کوئی دیکھ کر نہ گیا ہو'

انگریز کلکٹر نے کہا: 'نواب صاحب! ایسی کون سی چیز ہوسکتی ہے جسے اور کوئی دیکھ کر نہ گیا ہو؟ اچھا میں سوچ کر پھر بتاؤں گا'

دو روز بعد وہ آیا اور اس نے کہا کہ 'نواب صاحب! میں نے سوچ لیا اور معلومات بھی حاصل کر لی ہیں۔اب آپ کو ایسی چیز دکھاؤں گا جو اور کوئی یہاں سے دیکھ کر نہیں گیا'' اس پر نواب صاحب خوش ہو گئے اور کہا کہ 'بس ٹھیک ہے......' کلکٹر نے نواب صاحب سے پاسپورٹ مانگا اور کہا کہ 'وہ جگہ دیکھنے کے لیے حکومت سے تحریری اجازت لینی ہوتی ہے، اس لیے پاسپورٹ کی بھی ضرورت ہوگی' دو ایک روز بعد وہ نواب صاحب کا اور اپنا تحریری اجازت نامہ لے کر آیا اور کہا کہ 'کل صبح آپ میرے ساتھ میری موٹر میں چلیں گے۔سرکاری موٹر نہیں لے جائے گی' نواب صاحب اس پر راضی ہو گئے۔اگلے روز نواب صاحب اس کے ساتھ روانہ ہوئے۔شہر سے باہر نکل کر ایک طرف جنگل شروع ہو گیا۔اس میں ایک چھوٹی سی سڑک تھی، جس پر جوں جوں چلتے گئے، جنگل گھنا ہوتا گیا۔راستے میں کوئی پیدل چلتا نظر آیا نہ کسی قسم کی سواری پر نظر پڑی۔کسی طرح کی آمدورفت کا سلسلہ نہیں تھا۔چلتے چلتے کوئی آدھ گھنٹہ گذرا تو نواب صاحب نے دریافت کیا: 'کیا دکھانے لے جا رہے ہو؟ کوئی جنگلی جانور ہے یا کوئی تالاب جس میں خاص قسم کے جانور ہیں؟ اس طرف آبادی ہے اور نہ آمدورفت۔ابھی کتنا اور چلنا ہے؟' اس نے کہا 'بس تھوڑی دور اور چلنا ہے، جنگلی جانور یا تالاب وغیرہ نہیں دکھانا'

تھوڑی دیر بعد ایک بڑا دروازہ آیا جو ایک بڑی عمارت کے مین گیٹ کی صورت تھا اس میں آگے اور پیچھے دروازے تھے دونوں طرف فوجی پہرہ تھا۔کلکٹر نے موٹر سے اتر کر پاسپورٹ اور تحریری اجازت نامہ دکھایا۔اس نے دونوں رکھ لیے اور اندر آنے کی اجازت دے دی مگر یہ کہا کہ آپ اپنی موٹر یہیں چھوڑ دیجیے اور اندر جو موٹریں کھڑی ہیں، ان میں سے کوئی لے لیجیے۔نواب صاحب نے دیکھا یہ دروازہ کسی عمارت کا نہیں تھا اور اس کے دونوں طرف دیواروں کے بجائے بہت گھنی جھاڑیاں اور کانٹے دار درخت تھے جن میں سے کسی کا گذرنا ناممکن نہ تھا۔موٹر چلتی رہی مگر گھنے جنگل اور جنگلی درختوں کی دیوار کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔نواب صاحب نے گھبرا کر پوچھا: 'کب وہاں پہنچیں گے؟' اس نے کہا: 'بس پہنچ گئے۔دیکھیے، وہ جو عمارت نظر آ رہی ہے؛ وہاں جانا ہے۔' پھر اس نے خاص طور سے یہ کہا: 'اس

عمارت میں جب داخل ہوں گے تو ہر چیز دیکھیے مگر آپ کسی کا کوئی سوال کسی سے نہیں کریں گے۔ بالکل خاموش رہنا ہے۔آپ کو جو کچھ دریافت کرنا ہو وہ مجھ سے پوچھ لیجیے گا۔ویسے تو میں خود ہی بتاتا جاؤں گا۔ نواب صاحب نے کہا'اچھا' ٹھیک ہے۔عمارت سے تھوڑے فاصلے پر انہوں نے موٹر چھوڑ دی اور پیدل عمارت کی طرف بڑھے۔

یہ ایک بڑی سی عمارت تھی۔شروع میں دالان تھا، اس کے پیچھے متعدد کمرے تھے۔ جب دلان میں داخل ہوئے تو ایک نوجوان داڑھی مونچھوں والا، عربی کپڑے پہنے اور سر پر رومال ڈالے ایک کمرے سے نکلا۔ایک دوسرے کمرے سے دوایک نوجوان اور نکلے۔ان لوگوں نے پہلے کمرے سے نکلنے والے لڑکے سے کہا'السلام علیکم' دوسرے نے جواب دیا'وعلیکم السلام'' کیا حال ہے؟ نواب صاحب حیران رہ گئے۔کلکٹر نے انہیں ایک کمرے کے دروازے پر لے جاکر کھڑا کیا۔دیکھا کہ اندر فرش بچھا ہے اور اس پر عربی لباس میں متعدد طلبہ بیٹھے ہیں۔اور ان کے سامنے ان کے استاد بالکل اسی طرح بیٹھے سبق پڑھا رہے ہیں جیسے اسلامی مدرسوں میں استاد پڑھاتے ہیں۔

کلکٹر نے نواب صاحب کو سب کمرے دکھائے۔نواب صاحب نے دیکھا کہیں کلام مجید پڑھایا جارہا ہے، کہیں قرأت سکھائی جارہی ہے، کہیں معنی اور تفسیر کا درس ہورہا ہے، کہیں احادیث پڑھائی جارہی ہیں، کسی جگہ بخاری شریف کا سبق ہورہا ہے اور کہیں مسلم شریف کا، کہیں مسئلے مسائل سکھائے جارہے ہیں اور کہیں اصطلاحات کی وضاحت اور کہیں مناظرہ ہورہا ہے۔ یہ سب دیکھ کر نواب صاحب بہت حیران ہوئے۔ان کا جی چاہتا تھا کہ ایک آدھ طلب علم سے کمرے سے نکلتے وقت کوئی سوال کریں مگر کلکٹر اشارے سے ان کو روک دیتا تھا۔

نواب صاحب نے نوٹ کیا کہ ہر جگہ باریک مسئلے مسائل پر زور ہے مثلاً غسل کا طریقہ، وضو، روزہ، نماز اور سجدہ سہو کے مسائل۔ وراثت اور رضاعت کے جھگڑے، لباس اور داڑھی کی وضع قطع، گا گا کر آیات پڑھنا، غسل خانے کے آداب، گر سے باہر جانا، لونڈی رغلاموں کے مسائل، حج کے مناسک، بکرا، دنبہ کیسا ہو، چھری کیسی ہو، دنبہ حلال ہے یا حرام؟ حج بدل اور قضا نمازوں کی بحث، عید کا دن کیسے طے کیا جائے اور حج کا کیسے؟ میز پر بیٹھ کر کھانا، پتلون پہننا جائز ہے یا ناجائز؟ عورت کی پاکی اور ناپاکی کے جھگڑے، حضور ﷺ کی معراج روحانی تھی یا جسمانی؟ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟ تراویح آٹھ ہیں یا بیس؟ نماز کے دوران وضو ٹوٹ جائے تو آدمی کیا کرے؟ سود مفرد جائز ہے یا ناجائز؟ وغیرہ

ایک استاد نے سوال کیا، پہلے عربی پھر انگریزی، آخر میں نہایت شستہ اردو میں! 'جماعت اب یہ بتائے کہ جادو، نظر بد، تعویذ گنڈہ، آسیب کا سایہ برحق ہے یا نہیں؟' پینتیس چالیس کی جماعت بیک آواز پہلے انگریزی میں بولی 'True' 'True' پھر عربی میں یہی جواب دیا اور پھر اردو میں۔ ایک طالب علم نے کھڑے ہو کر سوال کیا: 'استاد عبادت کے لیے نیت ضروری ہے تو مردہ لوگوں کا حج بدل کیسے ہو سکتا ہے؟ قرآن تو کہتا ہے ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے' استاد بولے: 'قرآن کی بات مت کرو، روایات، ورد اور استخارے میں مسلمانوں کا ایمان پکا کرو۔ ستاروں، ہاتھ کی لکیروں، مقدر اور نصیب میں انہیں الجھاؤ۔

یہ سب دیکھ کر جب واپس ہوئے تو نواب صاحب نے کہا کہ اتنا بڑا دینی مدرسہ ہے جس میں اسلام کے ہر پہلو کی اس قدر عمدہ تعلیم اور باریک سے باریک باتیں سکھائی جا رہی ہیں آخر یہ ان مسلمان طلبہ کو اس طرح علیحدہ کیوں بند کر رکھا ہے اور کیوں چھپا رکھا ہے۔ تب کلکٹر نے کہا کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں، یہ سب عیسائی مشنری ہیں۔ نواب صاحب کو مزید حیرت ہوئی اور انہوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو کلکٹر نے کہا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد، انہیں مسلمان ممالک میں، خصوصاً شرق اوسط بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں یہ لوگ کسی بڑے شہر کی کسی بڑی مسجد میں جا کر نماز میں شریک ہوتے ہیں اور نمازیوں سے کہتے ہیں کہ وہ انگریز ہیں، انہوں نے مصر میں ازہر یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور مکمل عالم ہیں۔ انگلستان میں اسلامی ادارے نہیں جہاں وہ تعلیم دے سکیں اور نہ مسجدیں ہیں، اس لیے جلاوطنی اختیار کی ہے، وہ سردست تنخواہ نہیں چاہتے بلکہ صرف کھانا اور سر چھپانے کا ٹھکانا اور پہننے کے کپڑے درکار ہیں۔ وہ مسجد میں موذن یا پیش امام یا بچوں کو کلام مجید کے معلم کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کو تیار ہیں اگر کوئی بڑا تعلیمی ادارہ ہو تو اس میں استاد کی حیثیت سے کام کر سکتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو مسجد یا مدرسے میں رکھ لیا جاتا ہے تو مقامی لوگ بطور امتحان ان سے مسائل بھی معلوم کرتے ہیں اور وہ کافی وشافی جواب دیتے ہیں کچھ عرصہ بعد جب کوئی اختلافی مسئلہ آتا ہے تو لوگ چونکہ ان کے معتقد بن چکے ہوتے ہیں تو وہ اس اختلافی مسئلے پر ان کی دو پارٹیاں بنا کر خوب اختلاف پیدا کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کو اس طرح آپس میں لڑاتے ہیں۔

سو اس ادارے کا پہلا اصلی مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو باہم لڑاؤ چنانچہ شرق اوسط میں گرجاؤں کے پادریوں کے ایک سالانہ جلسے میں Zavyar نامی پادری نے بحیثیت صدر اپنی تقریر میں یہ کہا کہ مسلمانوں سے ہم مناظرے میں نہیں جیت سکتے، اس لیے ہم نے اسے چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ انہیں آپس میں لڑاؤ۔ اس میں ہم کامیاب ہیں، لہٰذا ہمیں اس پر عمل پیرا رہنا چاہیے۔ اس مدرسے کا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ جس طرح بھی ہو سکے گھٹاؤ تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں جو ان کی عزت اور محبت ہے وہ کم ہو جائے اس کے بغیر ہم مسلمانوں پر قابو نہیں پا سکتے کیونکہ محض مسلمانوں کے سیاسی

اختلاف سے اسلام ختم نہیں ہوسکتا۔

کلکٹر کی ان باتوں پر نواب صاحب حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہے تھے۔

عیسائیوں نے اپنے اس پروگرام پر کئی پہلوؤں سے عمل کیا۔ برصغیر میں انگریزی حکومت کے زمانے میں کتاب ’رنگیلا رسول‘ لکھائی گئی۔ اس کے بعد غلام احمد قادیانی کو نبی بنایا گیا۔ ان سے جو کتابیں مذہب کے متعلق لکھوائی گئیں وہ اندرون خانہ اسی مسیحی ادارے کی کاوش کا نتیجہ تھیں، ورنہ غلام احمد کی بذات خود کیا قابلیت تھی۔ اسی طرح ایک ڈیڑھ عشرہ پہلے امریکہ میں رشاد خلیفہ نے اعلان کیا کہ اس نے کمپیوٹر کے ذریعے عدد ۱۹ کی بنا پر قرآن مجید کو اللہ کا کلام ثابت کیا ہے۔ جب لوگ اس کے معتقد ہو گئے تو اس نے قرآن میں چند آیتیں تحریف شدہ بتا دیں، پھر کہا کہ میرا نام ’خلیفہ‘ قرآن مجید میں موجود ہے اور پھر، اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ جن لوگوں کو اس میں شبہ ہوا ان کے لیے مناظرے کا دن اور تاریخ مقرر کر دی۔ اس نے جب قرآن میں چند آیتوں کی تحریف کا اعلان کیا تو لوگوں نے کمپیوٹر کے ذریعے اس کے بنائے ہوئے حسابی نقشے کی جانچ کی، جو غلط ثابت ہوا۔ مسلمان علماء مناظرے کے لیے تیار تھے مگر مقرر وقتِ مناظرہ سے پہلے، غلام احمد قادیانی کی طرح، اسے موت نے آ دبوچا اور یوں اس فتنہ کا خاتمہ ہو گیا۔ رشاد خلیفہ کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس کا فتنہ باقی ہے اس ادارہ، سینٹر اور اس کے رفیق حسب سابق کام کر رہے ہیں اس کا تحریف شدہ ترجمہ قرآن امریکہ میں عام ملتا ہے [صدیقی ٹرسٹ]

سلمان رشدی کی کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی معلوم ہوتی ہے۔ کتاب چاہے سلمان رشدی نے خود لکھی ہو مگر مسالا غالباً اسی مسیحی ادارے کا تیار کردہ ہے۔ انگریزی حکومت نے بھی، اس کی جان کی حفاظت کے لیے پولیس کے دو آدمی مستقلاً اس کے ساتھ لگا رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ہر طرح کے انتظامات ہیں اور اس ملعون کی حفاظت پر لاکھوں پونڈ خرچ ہو رہے ہیں، جب کہ انگلستان میں رہنے والے کئی اور افراد کو بھی موت کی دھمکی دی جاتی ہے وہ حفاظت کے لیے حکومت سے درخواست کرتے ہیں مگر ان کی حفاظت کے لیے اس کا عشر عشیر بھی نہیں کیا جاتا۔ حال ہی میں چند مالدار انگلستانی سکھ باشندے، بھارتی سکھوں کے، خالصتان بنانے کے خلاف اور بھارتی حکومت کے طرف دار تھے۔ خالصتانی سکھوں نے انہیں موت کی دھمکی دی تو انہوں نے حکومت سے مدد چاہی مگر حکومت نے کوئی خاص انتظام نہ کیا اور وہ مالدار سکھ مارے گئے لیکن سلمان رشدی کے ساتھ کیا خصوصیت ہے کہ برطانوی حکومت نہ صرف اس قدر سخت حفاظتی انتظامات کر رہی ہے بلکہ سیاسی طور پر ایران پر زور ڈال رہی ہے کہ امام خمینی صاحب کا فتویٰ واپس لیا جائے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ عیسائیوں کی ان سازشوں سے آگاہ رہیں

اور اپنے گروہی اور فرقہ ورانہ اختلافات ختم کردیں جو ان کی اجتماعی قوت کونہایت کمزور کیے دیتے ہیں انہی اختلافات کانتیجہ ہے کہ مسلمان بوسنیا، کشمیراور فلسطین میں ہر کہیں بے کس اور مظلوم ہیں مگر عالم اسلام ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔' (بحوالہ اردو ڈائجسٹ لاہور، نومبر ۱۹۹۲ء)

اب جنگل کی حویلی کے ایک مکین سے ملاقات کیجیے

یہ واقعہ میرے دوست حسین امیر فرہاد کے ساتھ کویت میں پیش آیا۔ واقعہ انہی کی زبانی سنیے:

یہ ۱۹۷۹ء کا واقعہ ہے، ان دنوں مَیں کویت کی ایک کمپنی میں افسر تعلقات عامہ تھا۔ ہماری کمپنی کے ڈائریکٹر نے سری لنکا سے گھر کے کام کاج کے لیے ایک خادمہ منگائی۔ دوسرے دن مجھ سے کہا: 'اس خادمہ کو واپس بھیج دو۔ وہ ہمارے کسی کام کی نہیں کیونکہ عربی جانتی ہے نہ انگریزی' میں اس کی دستاویزات لے کر متعلقہ جگہ پہنچا تو پتا چلا کہ فی الحال سری لنکن سفارت موجود نہیں البتہ برطانوی، سری لنکن باشندوں کے معاملات دیکھتے ہیں۔

برٹش کونسل میں استقبالیہ کلرک نے میرا کارڈ دیکھا تو مسٹر ولسن سے ملایا۔ وہ بڑے تپاک سے ملے اور بٹھایا۔ جب اس نے اندازہ لگایا کہ میں بھارتی یا پاکستانی ہوں تو اردو میں کہا: 'میں کیا خدمت کرسکتا ہوں' میں نے سری لنکن خادمہ کے متعلق بتایا تو اس نے کہا: 'کوئی مسئلہ نہیں، اسے ہم رکھ لیں گے۔ آپ کا جو خرچ آیا، وہ ہم ادا کردیں گے۔ یہ بتاؤ کہاں کے رہنے والے ہو؟' میں نے کہا: 'پاکستان' وہ بولا: 'وہ تو بہت بڑا ملک ہے۔' میں نے کہا: 'پشاور کا رہنے والا ہوں' پشتو میں پوچھا: 'کونسی جگہ؟' میں نے بتایا: 'نوشہرہ' جب میں نے گاؤں کا نام بتایا تو اس کی آنکھوں میں عجیب چمک پیدا ہوگئی۔ پھر وہ مختلف لوگوں کا پوچھنے لگا۔ میں نے بتایا کہ کون مرگیا ہے اور کون زندہ ہے۔ میں نے سوچا، ہوسکتا ہے یہ نوشہرہ چھاؤنی میں ملازمت کرتا رہا ہو۔لیکن س کی عمر زیادہ نہیں تھی لیکن اس نے کچھ اور کہانی سنائی۔ پہلے اس نے کافی منگائی پھر انٹر کام پر کلرک سے کہا کہ اس کے پاس کسی کو مت بھیجنا۔ وہ اتنا خوش تھا کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ کافی کے دوران اس نے بتایا: ''میں آپ کے گاؤں، محلہ عیسیٰ خیل میں چار سال تک پیش امام رہا ہوں۔'

میں نے پوچھا: 'کیا آپ مسلمان ہیں؟'' وہ بولا: 'میں نے چار سال تک آپ کے گاؤں کا نمک کھایا ہے۔ آپ کے گاؤں والوں نے مجھے بڑی عزت دی۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں عیسائی ہوں یعنی اہل کتاب۔' اس کے بعد میرا اس کے ہاں آنا جانا رہا۔ وہ مجھے اپنا ہم وطن سمجھتا رہا اور تقریباً میرا ہم عمر تھا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ ہمارے ہاں پاکستان بننے کے بعد رہا تھا۔ ایک دن میں نے پوچھا: ''آپ پٹھانوں کا کھانا کیسے کھاتے رہے؟' وہ کہنے لگا: 'آپ لوگوں کو کھانا اتنا مزیدار ہوتا ہے

کہ میں یہاں آج بھی گھر جاتے ہوئے ایرانی تندور سے روٹی لے کر موٹر میں، روکھی کھاتا ہوں'۔

جب میں کویت سے پاکستان آ رہا تھا تو میں نے اس سے وہی سوال پوچھا جسے وہ ہمیشہ ٹالتا رہا تھا۔ میں نے دریافت کیا: 'اب تو بتا دو کہ تم عیسائی ہو کر پٹھانوں کے گاؤں میں روکھی سوکھی کھاتے اور پیش امام کی خدمت انجام دیتے رہے...... آخر کیوں؟' وہ کافی دیر سر جھکائے سوچتا رہا پھر سر اُٹھا کر میری آنکھوں میں جھانکا اور کہا: 'ہمیں اپنے ملک کے مفادات کی خاطر بعض اوقات بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں لندن کے مضافات میں ایک مرکز ہے جہاں شکل وشباہت دیکھ کر انگریزوں کو بیرونی مذاہب اور زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر پھر ہمیں مختلف علاقوں میں بھیجا جاتا ہے۔'

گاؤں آ کر میں نے محلہ عیسیٰ خیل کے بزرگوں کو یہ واقعہ سنایا تو ایک بوڑھے طالب گل نے کہا: 'مجھے شک پڑا تھا، مگر سب کہہ رہے تھے کہ یہ چترالی ہے۔' وہاں اکثر چترالی مولوی پیش امام ہیں۔ وہ بھی گورے ہیں بالکل انگریزوں کی طرح۔ جب میں نے جنگل کی حویلی کے متعلق پڑھا تو مجھے یقین ہو گیا کہ مسٹر ویلن ضرور جنگل کی حویلی کا پروردہ تھا۔ (از شبیر احمد)

احباب ذی وقار! دشمن نے یہ نہیں دیکھنا کہ آپ شیعہ ہیں، دیوبندی ہیں، وہابی ہیں یا بریلوی۔ اس نے صرف یہ دیکھنا ہے کہ آپ کلمہ گو مسلمان ہیں۔ دشمن آپ کو تفرقہ میں ڈال کر نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے۔

انور یوسف

امریکی مظالم کی انتہاء

عالم اسلام میں جہاد کی ابتداء...... محض اس کا ایک ردّعمل ہے

'امریکی فوج کو ۷ خلیجی ریاستوں پر قبضے کا حکم دیا گیا ہے۔ امریکا چین، روس اور اس خطے کے دیگر کئی ممالک کو گھیرنے کی کوشش کر رہا ہے۔' یہ الفاظ سابق امریکی وزیرِ خارجہ ہنری کسنجر نے ایک انٹرویو میں کہے ہیں۔ دوسری طرف امریکا کو جماعۃ الدعوۃ، القاعدہ، طالبان، حزبِ اسلامی، حماس، سالویشن فرنٹ، تحریکِ اسلامی، مورو لبریشن فرنٹ، الاخوان المسلمون اور دیگر اسلامی تنظیموں سے بڑا خطرہ رہتا ہے۔ حالانکہ یہ سب تنظیمیں سامراجی طاقتوں کی ناانصافیوں اور ظلم و ستم کا ردّعمل ہیں۔ القاعدہ ردعمل تھا، امریکا کی ان ناانصافیوں کا جو مسلم ریاستوں کے ساتھ کی گئیں۔ نوے کی دہائی میں جس وقت خلیجی ممالک میں سامراجی طاقتوں نے ڈیرے ڈالے تو اس وقت اسامہ بن لادن اور اس کے اسلام پسند ساتھیوں نے پہلے دبے لفظوں میں کہا کہ یہ ہماری سلامتی پر حملہ ہے، لہٰذا یہاں سے نکل جائیں۔ جب ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی تو پھر انہوں نے امریکا کے خلاف بابانگِ دہل جنگ کا اعلان کر دیا۔

القاعدہ کا اوّلین مطالبہ شروع سے یہی رہا ہے کہ استعماری قوتیں خلیجی ممالک سے نکل جائیں۔ ان کا کہنا تھا خلیج میں بیرونی افواج کی آمد دراصل ان ممالک کے بے پناہ وسائل ہتھیانے اور ان کی خودمختاری کو ختم کرنے کے لیے ہے۔ آج سے بیس سال قبل خلیجی جنگ کے دوران جب امریکا نے حرمین شریفین کے تحفظ کے بہانے سعودیہ میں فوجیں اتاریں تو اس وقت اسامہ بن لادن نے امریکا کے گھناؤنے عزائم بھانپ کر پہلی مرتبہ للکارا تھا۔ وہ دن ہے اور آج یہ خونیں سلسلہ ہزار جتن کے باوجود طول پکڑتا جا رہا ہے، لیکن ختم یا کم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ القاعدہ نے تو ۲۰۰۰ء کے بعد باقاعدہ تشدد کا راستہ اپنایا ہے لیکن امریکا...... جو اپنے آپ کو امن کا علمبردار کہتا ہے، نے اپنے یومِ آزادی سے ہی تشدد و سفاکیت کا راستہ اپنایا ہوا ہے۔ ۱۷۷۶ء سے اب تک امریکی مسلح افواج ۲۲۰ مرتبہ اقوامِ عالم کے خلاف جارحیت کی مرتکب ہو چکی ہیں۔ ان ۲۳۴ سالوں میں دوسوبیس مرتبہ جارحیت سے کئی گنا زیادہ اور بیشتر صورتوں میں کئی سو گنا زیادہ ہے۔ اس کی وجہ پوچھی جائے تو وہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ چنگیز خان کی گردن پر ۳۴ ملین اور ہلاکو خان کی گردن پر صرف ۴ ملین افراد کا خون بتایا جاتا ہے۔ تیمور لنگ کی خون

آ شام تلوار ۱۴ ملین کا خون پی گئی جب کہ جرمن نازی رہنما ایڈولف ہٹلر کو ۲۱ ملین کا جان لیوا بتایا جاتا ہے۔ یہ کل ۳۷ ملین افراد ہوئے جب کہ امریکا کے ذمے اب تک ۱۷۱.۵ ملین افراد کا قتل بلاشک وشبہ ثابت ہے۔ آیئے! حساب لگاتے ہیں۔ ریڈانڈینز ۱۰۰ ملین، افریقن ۶۰ ملین، ویت نامی ۱۰ ملین، عراقی ا ملین، افغان نصف ملین، کل فردِ جرم ۱۷۱.۵ ملین۔

اب آپ ہی بتایئے اگر ۳۷ ملین مظلومین کے قاتلوں کو'انسانیت کا قاتل' کہا جاتا ہے تو ۱۷۱ ملین سے زائد کی رگ وجاں سے خون پینے والے امریکا کو کیا نام دینا چاہیے؟ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے امریکا ۲۳ ملکوں پر بمباری کا مرتکب ہو چکا ہے۔ سب سے بڑھ کر جاپان پر ایٹمی حملہ کر کے پوری دنیا میں جارحیت اور سفاکیت کا اعزاز بھی اسی امریکا کو ہی حاصل ہے۔ آج سے ۶۵ سال پہلے ۱۹۴۵ء میں جاپان کے دوشہروں'ہیروشیما اور ناگاساکی' پر امریکا ہی نے انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایٹم بم گرائے۔ اس بربریت سے چشم زدن میں دولاکھ افراد پانی کے بلبلے کی طرح پگھل کر رہ گئے۔ کوئی چرند پرند نہ بچا۔ جو لوگ بچ گئے تھے وہ زندہ درگور تھے۔ ان خوفناک مظالم اور بربادی کی داستانیں دنیا کے ہر امن پسند شہری سے سنی جاسکتی ہیں۔

امریکی دانشوروں میں اگر انسانیت کی رمق باقی ہے تو وہ ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم برسانے کے بعد اپنے حکمرانوں کو جوہری ہتھیار تلف کرنے کی تلقین کرتے، لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا بلکہ پوری دنیا پر 'چودراہٹ' قائم کرنے کے نظریے اور استعماری عزائم کی بنا پر امریکا ۱۹۴۵ء سے ۲۰۱۱ء تک دنیا میں مجموعی طور پر ۱۰۸ بڑی جنگیں لڑ چکا ہے۔ ان جنگوں میں بارود کا کھلا کھلا استعمال ہوا۔ گھر جلے، شہر ویران ہوئے لاشیں گریں، زخمیوں کی چیخوں اور مرنے والوں کی آہوں سے زمین اور آسمان کے دامن میں چھید ہوئے۔ ان سب جنگوں کے پیچھے ایک ہی ملک اور ایک ہی قوم تھی یعنی امریکا اور امریکی۔ بعض جنگیں امریکا نے براہِ راست لڑیں۔ بعض میں وہ شریک ہوا اور بعض میں اس کا اسلحہ استعمال ہوا۔ وہ جنگیں جن میں امریکا شامل نہیں تھا۔ ان میں بھی مرنے والوں کے خون کے چھینٹے امریکی آستینوں پر ہی دکھائی دیتے ہیں۔ ان ایک سو آٹھ جنگوں میں ۱۹۹۶ء تک ایک روڑ نوے لاکھ تہتر ہزار انسان ہلاک ہوئے۔

ان تمام جنگوں کے پیچھے امریکا تھا، ان تمام جنگوں میں امریکی اسلحہ استعمال ہوا تھا۔ ان میں سے چند جنگیں تو ایسی تھیں اگر امریکا کے وزارتِ دفاع سے ایک ٹیلی فون آجاتا تو لاکھوں افراد خوفناک موت سے بچ جاتے لیکن فون تو رہا ایک طرف امریکی دفترِ خارجہ نے عین جنگ کے موسم میں ایسے بیانات دینے شروع کر دیے جن کے نتیجے میں وہ جنگیں ناگزیر ہوگئیں۔ اس وقت بھی دنیا میں ۶۸ ایسے تنازعات

موجود ہیں جو دنیا کے ۷۰ فیصد معاشی وسائل کھا رہے ہیں۔ یہ لڑائی جھگڑے اور تنازعات ایسے ہیں جو ب آسانی حل ہو سکتے ہیں لیکن امریکا اس کا حل چاہتا ہی نہیں۔ دراصل امریکا کو عالمی قیادت کا ہوکا ہے لیکن اس کے لیے جس اخلاقی بلندی، وسعت ظرفی اور انسانی رویوں سے آراستگی کی ضرورت ہے۔ نہ صرف یہ کہ امریکا اس کے عشر عشیر کو نہیں پہنچتا بلکہ اس حوالے سے اس قدر پستی کا شکار ہے اور ایسے بدترین ریکارڈ کا حامل ہے اسے عالمی قیادت کے منصب پر فائز کرنا تو کجا عالمی برادری کی پچھلی صفوں میں شامل کرنا بھی محلِ نظر ہے۔ ۱۹۹۱ء میں روس کی شکست کے بعد امریکا کے مرتب کردہ ’نیوورلڈ آرڈر‘ میں کہا اب پوری دنیا میں بلاشرکت غیرے امریکا کی حکمرانی ہوگی۔ جہاں کہیں بھی امریکی مفادات کو خطرات لاحق ہوں گے وہاں وہ کاروائی کا حق محفوظ رکھتا ہے۔

نیوورلڈ آرڈر کے ذریعے امریکا کا اصل میں ’عالمی تھانیداری‘ کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ جو دعویٰ آج کا سپر پاور کرتا ہے کبھی قیصر و کسریٰ بھی کرتے تھے لیکن آج ان کا نام و نشان نہیں ہے۔ ۱۹۴۵ء کے بعد روس کا طوطی بولتا تھا۔ ۱۹۹۰ء کے بعد یہی کچھ امریکا سوچ رہا ہے اور اس کے لیے وہ سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں کو قرار دیتا ہے۔ زمینی حقائق بتاتے ہیں دنیا کو اصل خطرہ امریکا سے ہے۔ اگر امریکا نے اپنی روش نہ بدلی تو پھر یاد رکھیں امریکی استعمار کی قبر بھی افغانستان میں بننے جا رہی ہے۔ افغان مجاہدین اس کی دنیا پر ہمیشہ بالادستی کا خواب چکنا چور کرنے جا رہے ہیں۔ امریکی بغل بچہ اسرائیل کے صیہونیوں کی وجہ سے مشرقِ وسطیٰ آتش فشاں بنا ہوا ہے۔ بھارت کے انتہا پسندوں کی وجہ سے جنوبی ایشیا کا امن داؤ پر لگا ہوا ہے۔ باقی رہی القاعدہ، طالبان، داعش، حزب اسلامی، حماس، سالویشن فرنٹ، تحریکِ اسلامی، مورو لبریشن فرنٹ، اخوان المسلمون وغیرہ یہ سب امریکا اور دیگر عالمی طاقتوں کی مسلمانوں کے ساتھ ناانصافیوں، استعماری پالیسیوں، مسلم ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا ردّعمل ہیں۔ ایسے نظریات کی حامل جماعت کسی نہ کسی ظلم و ستم اور ناانصافی کا ردعمل ہے۔ اگر آج یہ اسباب ختم ہو جائیں تو یہ تنظیمیں خود ہی اپنا مقصد حاصل کر لیں گی۔ اگر امریکا ان ’تشدد پسند‘ تنظیموں سے چھٹکارا چاہتا ہے تو مظلوم قوموں اور غریب ملکوں کے ساتھ روا رکھے گئے سلوک اور استعماری پالیسیوں پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ زبانی کلامی دعوؤں سے بڑھ کر چند عملی اقدامات کرنا ہوں گے۔ اسے خود اپنے ماضی اور حال پر بھی شرمسار ہونا پڑے گا۔ (بشکریہ ’سبق پھر پڑھو‘)

رحیم الدین

علماء کرام کی خدمت میں

دستہ بستہ چند سوالات

ہم علماء کرام کا نہایت اکرام کرتے ہیں کیونکہ ہم ان سے دین سیکھتے ہیں اور عوام انہیں دین کے نمائندے سمجھتے ہیں۔ ہم محلے کی جس مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں وہاں جمعہ کے خطبے میں اور دوسری دینی تقریبات کے موقع پر خطیب صاحب یہ جملہ دہرانا نہیں بھولتے کہ ''یا اللہ! مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد پیدا فرما۔'' ہمارا جی چاہتا ہے ان سے جا کر کہیں کہ یہ دعا یوں مانگا کریں کہ 'یا اللہ! ہمارے علماء کرام میں اتحاد و اتفاق پیدا فرما' لیکن ہم اپنی بزدلی اور خوفِ فسادِ خلق سے اس پر عمل نہیں کر پاتے۔ البتہ آج ہمیں خیال آیا کہ کیوں نہ یہ بات ہم ملک بھر کے معزز علماء کرام کے سامنے، سوالات کی صورت میں رکھیں۔

۱۔ پروفیسرز، ڈاکٹرز، انجینئرز، وکلاء سب کی انجمنیں بنی ہوئی ہیں اور وہ مل کر کام کرتے ہیں، علماء کرام کیوں مل کر دینی کام نہیں کر سکتے جب کہ معاشرہ اخلاقی بحران کا شکار ہے اور روز بروز دین سے دور ہو رہا ہے؟

۲۔ کیا ہمارے معاشرے میں مسلک پرستی اور فرقہ واریت پھیلانے میں علماء کرام کا کوئی کردار ہے؟ ظاہر ہے کوئی مسلک رکھنا غلط نہیں البتہ جو بات صحیح محسوس نہیں ہوتی وہ یہ ہے کہ اپنے مسلک اور مکتبِ فکر کو پورا دین بنا کر پیش کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ حق اس میں محصور ہے۔ صرف میرا مسلک صحیح ہے اور باقی سارے مسالک غلط اور باطل ہیں اور اس باطل کی بیخ کنی ضروری ہے۔

۳۔ کیا علماء کرام اپنے اپنے مسلک کے مطابق دینی مدارس، مساجد اور سیاسی جماعتیں بنا کر اور چلا کر مسلمان عوام کو تقسیم نہیں کرتے اور اس سے فکری اور مذہبی انتشار اور باہم لڑائی جھگڑوں میں اضافہ نہیں ہوتا اور دین کی ہوا خیزی نہیں ہوتی؟ کیا یہ ادارے اور جماعتیں اس طرح نہیں چلائے جا سکتے کہ سب مکاتب فکر کے علماء اور مسلمان ان میں شریک ہوں؟

۴۔ ہمارے دینی مدارس دین کے عالم تیار کرنے کی بجائے اپنے اپنے مسلک اور فرقے کے مبلغ اور

☆ ڈسکہ (سیالکوٹ)

کارکن کیوں تیار کرتے ہیں؟ اور وہ ایک دوسرے کی مساجد پر قبضہ کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ساری مساجد میں ایک ہی وقت اذان اور نماز ہو؟ اور خطبۂ جمعہ میں دینی مسائل صرف ایک ہی مسلک کے مطابق پیش نہ کیے جائیں اور دوسرے مسالک کو غلط ثابت نہ کیا جائے! کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ دینی مدارس میں سارے مسالک کے طلبہ پڑھیں اور مختلف مسالک کے اساتذہ انہیں پڑھائیں ،جس طرح سکولوں کالجوں میں ہوتا ہے؟

۵۔ آپ لوگوں نے سیاسی جماعتیں مسلک کی بنیاد پر کیوں بنائی ہوئی ہیں؟ سادہ، عام فہم اور عقل میں آنے والی بات یہ ہے کہ اگر آپ کسی دینی مسئلے مثلاً نفاذ شریعت کے لیے جماعت بنائیں اور سارے مسلمانوں کو مخاطب کریں تو سارے مسلمان آپ کا ساتھ دیں گے اور آپ کے جیتنے کے امکانات غالب ہوں گیلیکن مسلک پر مبنی جماعت بنانے کا مطلب ہی یہ ہے کہ صرف آپ کے مسلک کے لوگ آپ کو ووٹ دیں جس کے نتیجے میں آپ کبھی برسر اقتدار آ کر اسلام کی خدمت نہ کرسکیں گے لیکن اس کے باوجود آپ نے دینی سیاسی جماعتیں اپنے اپنے مسلک کی بنیاد پر بنائی ہوئی ہیں۔ آخر کیوں؟

۶۔ دینی مسائل میں اختلاف کرنے کی بنیاد پر کیا ایک دوسرے کی تکفیر جائز ہے؟ کیا دوسرے فرقے کے افراد کو قتل کر دینے کا خود فیصلہ کرلینا اسلام میں جائز ہے؟ اگر نہیں تو علماء اس کی مذمت کیوں نہیں کرتے؟ اسے مل کر روکتے کیوں نہیں؟ ان کے مسلک کے جو لوگ یہ حرکتیں کرتے ہیں وہ انہیں اپنے مسلک سے خارج کیوں نہیں کرتے اور ان سے قطع تعلقی کیوں نہیں کرتے؟

ہم چونکہ سارے مسالک کے علماء کرام کا احترام کرتے ہیں، اس لیے جس مسلک کے عالم بھی ہمارے ان سوالوں کے جوابات مرحمت فرمائیں، ہم ان کے شکر گزار ہوں گے اور مدیر البرہان سے درخواست کریں گے کہ وہ انہیں البرہان میں طبع کر دیں۔

ہم آخر میں ایک بار پھر عرض کرتے ہیں کہ ہم علماء کرام کا دل سے احترام کرتے ہیں۔ ہم نے کئی لوگوں کو دیکھا ہے جو اس طرح کی بہت سے برائیوں کا ذمہ دار علماء کرام کو ٹھہراتے ہیں اور انہیں برے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ اس لیے ہم نے سوچا کہ براہِ راست علماء کرام سے رجوع کر کے ان کا موقف معلوم کرلیں تا کہ بات واضح ہو کر سامنے آ جائے۔

چودھری رحمت علی

اسلامی طرزِ انتخاب

موجودہ صورتِ حال

آج کی دنیا میں جس قدر استحصال، شر، فساد، بدامنی، بے انصافی، رشوت، سفارش، اقرباء پروری، لاقانونیت، تعصب وغیرہ ہے اس کا بنیادی سبب ایک فرد کا دوسرے افراد کے ووٹوں کا محتاج ہونا ہے۔ بڑی بڑی آفتیں، سیلاب، زلزلے، ایٹم بم کی ہولناکیاں وغیرہ انسانیت کے لیے اس قدر مہلک ثابت نہیں ہوئیں جس قدر کہ ایک فرد کا دوسرے فرد کے ووٹ کا محتاج ہوجانا۔ ووٹ لینے والے نے ووٹ دینے والے کو بہر قیمت اس لیے خوش رکھنا ہوتا ہے کہ ووٹ 'پکا' رہے۔ اسلام عوامی نمائندوں کو ووٹ کا محتاج بناتا ہی نہیں۔ جمہوریت بغاوت ہے، اللہ تعالیٰ کی بجائے جمہور یعنی عوام کو حقِ حاکمیت دیتی ہے کہ وہ جسے چاہیں حلال قرار دیں، جسے چاہے حرام۔ یہ سازشی طریقہ ہے غرباء کو حقِ اقتدار سے محروم کر کے امراء کی من مانیاں کرنے کا۔

اسلامی طرزِ انتخاب

اسلامی طرزِ انتخاب اور ہمارے ہاں کے مروجہ طرزِ انتخابات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہاں اسلامی طریقِ انتخاب کو ہم ذرا وضاحت سے بیان کرتے ہیں:

یاد رہے چاروں خلفاءِ راشدین کا انتخاب تو ہوا لیکن قدرے مختلف طریقوں سے۔ تاہم چاروں طریقہ ہائے انتخاب میں قرآن وسنت پر مبنی چند مشترکہ اصولی قواعد وضوابط اختیار کیے گئے جو یوں ہیں:

۱۔ کوشش کی گئی کہ قیادت اہلِ قیادت کو سونپی جائے اور اس قرآنی ضابطے کی حرف بہ حرف پیروی ہو جو یوں ہے کہ ''مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔' (النساء:۵۸)

۲۔ ولی عہد بنانے کی قطعی ممانعت

۳۔ امیدوار کھڑا ہو کر کسی کو بذریعہ کنونسینگ اپنے حق میں کرنے کی دوٹوک نفی۔ ہادیٔ برحق کا ارشادِ

گرامی ہے 'ہم نہیں دیتے عہدہ اس شخص کو جو اس کی درخواست کرے اور جو اس کی حرص کرے۔' (مسلم)

۴۔ خلیفہ کا انتخاب محض اولوالامر کی رائے سے ہوا، امت کے ہر فرد نے ان انتخابات میں حصہ نہ لیا۔ اصل میں قرآن کے مطابق دنی امیں وقت کے ہر موڑ پر اکثریت ہمیشہ جاہلوں کی ہوتی ہے (اکثر الناس لایعلمون) لہٰذا جس نظام کی اٹھان لوگوں کی اکثریت پر ہو اس میں ہمیشہ جاہل ہی آگے آئیں گے۔ 'الناس' یعنی مسلموں اور غیر مسلموں دونوں کا انتخابات میں حصہ لینا تو درکنار اسلام تو اس سے بھی ایک قدم آگے جاتا ہے اور وہ پوری مسلم آبادی کو بھی اس بکھیڑے میں نہیں ڈالتا کہ وہ انتخابات میں حصہ لے، چناؤ کا بوجھ وہ صرف اولوالامر (اہل الرائے یعنی اہلِ استنباط) پر ڈالتا ہے۔ یاد رہے اسلام میں خلیفہ کی جگہ خالی ہونے کے تین دن کے اندر اندر اسے پُر کرنا ہوتا ہے اور ایسا تبھی ممکن ہے کہ صرف اولوالامر، جو حقیقت میں عوام کے خود معتمد ہوتے ہیں، اس مرحلہ کو سر کریں۔

۵۔ اہل اور قابل ترین قیادت کو آگے لانے کے لیے قرآنی معیارِ اہلیت، جو پانچ اوصاف، ایمان (النور: ۵۵) تقویٰ (الحجرات: ۱۳)، صلاح (النور: ۵۵)، علم ورجسم (البقرۃ: ۲۴۷) پر مشتمل ہے، کی پابندی کی گئی۔

۶۔ ایک دفعہ منتخب ہو جانے والی قیادت کو ہٹانا درج ذیل صرف تین صورتوں میں جائز ٹھہرا ورنہ تا حیات قائم و دوائم۔

☆ وفات پا جانے کی صورت میں

☆ از خود معذرت کر لینے کی صورت میں اور

☆ قرآنی معیارِ اہلیت میں سے کسی ایک یا کئی اہلیتوں میں کمی کی صورت میں۔

دورِ خلافتِ راشدہ میں مؤخر الذکر دونوں صورتوں کی نوبت نہ آئی لہٰذا پہلی ہی صورت کو اختیار کیا گیا۔

۷۔ اہلِ اقتدار تو بہر حال حزبِ اقتدار، باقی پوری امت حزبِ اختلاف تھی۔ کوئی بھی امتی کسی بھی وقت قیادت کا احتساب کر سکتا تھا۔ آج کی طرح کی متحارب حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف کا کوئی وجود نہ تھا۔

۸۔ منتخب ہونے کی صورت میں خلیفۂ وقت پر درج ذیل دو مزید قدغنوں کی پابندی لازمی تھی۔

☆ اوسط سطح کے شہری کی بود و باش اختیار کرنا۔

☆ دار الخلافت کی مرکزی مسجد کا خطیب و امام ہونا۔

چاروں خلفاء کے طریقہ ہائے انتخاب کا قدرے مختلف ہونا بنیاد فراہم کرتا ہے کہ زمانی و مکانی ضروریات کے پیشِ نظر نوعیت کے اعتبار سے طریقِ انتخاب قدرے مختلف تو ہوسکتا ہے لیکن شرعاً وہی طرزِ انتخاب جائز ہوگا جو مندرجہ بالا شرعی حدود کا پابند ہو ورنہ ناجائز، خواہ ایک ہی شرط کی خلاف ورزی کیوں نہ ہو۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور کو اسی لیے دورِ خلافتِ راشدہ کا حصہ سمجھا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ انحراف کے بعد ان کے دور میں ایک دفعہ پھر ان شرائط کی پابندی کی گئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج کیا کوئی ایسا طرزِ انتخاب وضع کر لینا ممکن نہیں کہ جس کے ذریعہ قرآن و سنت پر پورا اترنے والی قیادت ہی آگے آئے۔ ایسا کرنا سو فیصد ممکن ہے۔ ذیل میں ہم پاکستان کو بطور مثال لے کر ایک ایسے ہی طرزِ انتخاب کا ذکر کرتے ہیں۔ پوری اسلامی دنیا جب ایک ہی خلیفہ کی سرکردگی میں آجائے تو اسی یا ایسے ہی طریقے کو بآسانی اختیار کیا جاسکتا ہے۔

مجوزہ طرزِ انتخاب

جب معیاری لوگ آگے لانے ہوں تو ضروری ہے کہ وہ ادارہ یا معیار جو اہل لوگوں کی نشاندہی کرے، ایک ہی ہو۔ پورے ملک کی سطح پر ایسا واحد ادارہ الیکشن کمیشن ہی ہوسکتا ہے۔ الیکشن کمیشن کے حسبِ ضرورت یا مثال کے طور پر اکیاون پینل بنا لیے جائیں جن میں سے ایک انچارج پینل (الیکشن کمشنر خود) ہو یعنی وہ تمام دوسرے پینلوں کے کام کی نگرانی کرے۔ ہر پینل ایسے تین افراد پر مشتمل ہو کہ جن کی شرافت اور دیانتدارانہ شہرت مسلمہ ہو۔ یاد رہے اسلامی تعلیمات کے مطابق ایسے نیک سرشت انسان وقت کے ہر موڑ پر موجود ہوتے ہیں۔ دوسری طرف پورے ملک کو مناسب سائز کے حلقوں میں تقسیم کر لیا جائے۔ ہر حلقہ میں الیکشن کمیشن کا ایک پینل سات دن مختلف ریسٹ ہاؤسوں، یونین کونسل کے دفتروں یا دوسری مناسب جگہوں پر قیام کرے اور ان اوقاتِ قیام کا اعلان پہلے سے اخبارات و اشتہارات کے ذریعے عام کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ متعلقہ پینل حلقے کے لوگوں سے اس قدر قریب تر رابطہ قائم کرے کہ گویا ان کا ہی حصہ بن جائے۔ اس قیام کے دوران متعلقہ آبادی میں سے بہ مشورہ عوام ایسے لوگوں کی فہرست تیار کرے جو قرآنی معیارِ اہلیت پر زیادہ سے زیادہ پورا اترتے ہوں۔ فہرست تو پہلے ایسے تقریباً ۱۵۰ افراد کی تیار کی جائے لیکن کانٹ چھانٹ اور کراس چیکنگ کے بعد اسے ۱۰۰ افراد تک محدود کر دیا جائے۔ بے حد ضروری ہے کہ فہرست میں شامل کردہ افراد کے ناموں کو خفیہ رکھا جائے۔ اس طرح سات دنوں میں پچاس پینل پچاس حلقوں کا سروے مکمل کر لیں گے۔ اسی حساب سے کم و بیش

۲۰۰ حلقوں کا سروے تقریباً ۴ ہفتوں یا زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں مکمل ہوجائے گا۔سروے مکمل ہونے کے تقریباً ۷ دن کے اندر اندر الیکشن کمیشن ہر حلقہ کی فہرست میں شامل کردہ افراد کو متعلقہ حلقہ میں ہی کسی ایک جگہ پر برائے مشورہ طلبہ کرے۔ضروری نہیں کہ ایسے تمام اجتماعات پورے ملک میں ایک ہی دن منعقد ہوں لیکن اگر ہوں بھی تو کوئی حرج نہیں۔

مشورے کے اغراض و مقاصد بتانے کے بعد آنے والے افراد میں سے ہر ایک کو ۱۰۰ افراد والی تیار کردہ فہرست کی ایک کاپی مہیا کی جائے اور اسے فہرست میں دیئے گئے افراد میں سے زیادہ سے زیادہ دس افراد کو، جن کو کہ وہ سمجھتا ہے کہ وہ قرآنی معیارِ اہلیت پر بدرجۂ اتم پورے اترتے ہیں خفیہ طور پر ٹک کرنے کا کہا جائے۔ جو افراد اپنے نام کو بھی ٹک کرے اس کے مشورے کو نہ صرف مسترد کیا جائے بلکہ اسے کسی بھی عہدے کے لیے نااہل قرار دیا جائے۔اس طرح سے جو شخصیت سب سے زیادہ ٹک ہوا سے مرکزی شوریٰ کا رکن ہونے کی سعادت ہو۔ دوسرے اور تیسرے نمبر پر ٹک ہونے والے افراد صوبائی شوریٰ کے ارکان گردانے جائیں۔اگر یوں منتخب کوئی رکن معذرت کرلے تو پھر چوتھے، پانچویں وغیرہ نمبر پر ٹک شدہ افراد میں سے مطلوبہ رکن لیا جائے۔

سربراہِ حکومت کا چناؤ مرکزی شوریٰ کے ارکان آپس میں اسی طرح بغیر کسی رکن شوریٰ کے امیدوار کھڑا ہونے کے خفیہ رائے دہی سے کریں۔صوبائی سربراہانِ حکومت کا چناؤ صوبائی شورائیں کریں۔ وفاقی وزراء کا چناؤ سربراہِ حکومت اور صوبائی وزراء کا انتخاب متعلقہ صوبائی سربراہِ حکومت کی صوابدید پر ہو۔ملکی سطح پر ایسے انتخابات پوری تاریخ میں صرف ایک ہی دفعہ ہوں۔کسی رکن شوریٰ کی سیٹ خالی ہونے کی صورت میں صرف متعلقہ حلقہ میں دوبارہ سروے کر کے مطلوبہ رکن کا انتخاب کیا جائے۔

ہمارا تجویز کردہ یہ طرزِ انتخاب گو جملہ اسلامی تقاضوں کو پورا کرتا ہے، حرفِ آخر نہیں۔عمل کی دنیا میں کہیں ردوبدل ناگزیر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ طرزِ انتخاب نہ صرف سستا، مختصر وقت میں اور معمولی عملہ سے مکمل ہونے والا ہے بلکہ گروہی و جماعتی محاذ آرائیوں اور برادریوں کی مخاصمتوں سے بھی قطعی پاک ہے۔ پھر اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہیکہ ملکی سطح پر صرف ایک ہی دفعہ درکار ہے، پھر کبھی نہیں۔اس کا یہ بھی طرۂ امتیاز ہے کہ ووٹر کی محتاجی کا کوئی سوال نہیں، دور دراز کا ایک غریب دیہاتی محض ذاتی اہلیت کی بناء پر عوام نمائندہ اور حکمران منتخب ہوسکتا ہے۔

ملی مجلس شرعی کا پیغام

علماء کرام کے نام

ملی مجلس شرعی مختلف مسالک کے علماء کرام کی ایک علمی مجلس ہے جس کے پیش نظر یہ ہے کہ مختلف مسالک کے علماء کرام کے درمیان رواداری اور تحمل و برداشت کو فروغ دیا جائے اور نو پیش آمدہ مسائل میں متفقہ موقف اختیار کرنے کی کوشش کی جائے۔ اگست ۲۰۰۷ء میں اصلاح تعلیم ٹرسٹ لاہور کی دینی مدارس کے اساتذہ کی اک تربیتی نشست میں ایک ایسی علمی مجلس کے قیام کا خیال سامنے آیا چنانچہ ۸ ستمبر ۲۰۰۷ء کو جامعہ نعیمی میں اس کا تاسیسی اجلاس منعقد ہوا جس میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور جماعت اسلامی کے علماء اور بعض ہم خیال اسلامی سکالرز نے شرکت کی اور ملی مجلس شرعی کے قیام کا فیصلہ کیا۔ بعد میں اہل تشیع کے علماء کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا۔ مجلس تب سے ان دو مقاصد کے لیے حسبِ استطاعت کام کرتی آ رہی ہے اور اس غرض سے علمی نشستیں، ورکشاپس، سیمینارز اور کانفرنسیں منعقد کرتی رہی ہے۔ کئی موضوعات پر اس نے ورکنگ پیپرز تیار کیے ہیں، قراردادیں پاس کی ہیں، رپورٹیں تیار کی ہیں اور فتاویٰ جاری کیے ہیں۔ ۲۰۱۳ء میں مجلس نے سود کے خلاف کام کرنے کے لیے 'تحریک انسداد سود' کے نام سے ایک پلیٹ فارم قائم کیا اور ۲۰۱۴ء میں علماء کرام سے یہ درخواست کرنے کا فیصلہ کیا کہ دینی مدارس میں عصر اور مغرب کے بعد جدید تعلیمی اداروں کے طلبہ کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں اور مساجد کے ائمہ و خطباء سے یہ درخواست کی کہ ہر مسجد میں ''فلاحی کمیٹی' بنا کر محلے کے مساکین اور بیواؤں کی مالی مدد کریں تاکہ نوبت غریبوں کی خودکشی تک نہ پہنچے۔

ان پانچوں امور کے بارے میں کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ علماء کرام اور مسالک کے درمیان رواداری اور اتحاد کا فروغ

اہل علم کے درمیان فقہی، کلامی، اجتہادی امور میں علمی اختلاف رائے اور سنجیدہ مباحثہ قابل تعریف اور مفید ہوتا ہے نہ کہ قابل مذمت لیکن اگر یہ اختلاف رائے بدزبانی، تعصب، کینہ اور دشمنی کا سبب بن جائے یا تخرب اور فساد کا ذریعہ بن جائے یا اپنے پسندیدہ مسلک کو عین دین سمجھ کر حق کو اس میں محصور

قرار دے دیا جائے یا وراپنے سے مختلف رائے کو گمراہی سمجھ کر اس کے ابطال کی کوشش کی جائے تو ظاہر ہے یہ رویہ غلط اور نقصان دہ ہے لہٰذا علماء کرام کو، جن سے بڑھ کر ادب الخلاف، کوئی نہیں سمجھ سکتا چاہیے کہ وہ اختلاف رائے کو اس کی تعمیری حدود میں رکھیں۔

فقہی اور کلامی مسالک کی زیادہ تر بنیادی اجتہادی امور پر ہے اور ان میں سے بھی بہت سے امور فروعی نوعیت کے یا افضل ومفضول کی نوعیت کے ہیں جن میں اختلاف رائے سرے سے اہمیت ہی نہیں رکھتا اور ان میں سے کوئی سی بھی رائے اختیار کی جاسکتی ہے اور اس سے اصل دین اور دین کے مہمان امور جو سارے مسلمانوں میں' الحمدللہ' مشترک ہیں، ان کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ان پر عمل کے حوالے سے کوئی مشکل پیش اتی ہے۔ لہٰذا علماء کرام کو چاہیے کہ وہ مسالک کے درمیان رواداری کو فروغ دیں، آپس میں تحمل وبرداشت سے کام لیں، ایک دوسرے کے قریب آنے کی کوشش کریں بلکہ مشترکہ دینی مقاصد کے لیے مل کر کام کریں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر، دعوت واصلاح، مساجد ومدارس کے فعال کردار اور معاشرے وریاست میں دینی اصول واقدار پر عمل کے حوالے سے مل کر اور متحد ہو کر جدوجہد کریں کہ ان میں سے کوئی امر اختلافی نہیں ہے اور جب ان میں کوئی امر اختلافی نہیں ہے تو دینی مصالح کی خاطر انہیں تو مل کر کرنے میں امر مانع ہے؟ اس کے لیے ضروری ہے کہ مختلف مسالک کے علماء کرام باہم ملتے رہیں، ایک دوسرے کے اداروں میں آتے جاتے رہیں، باہم مل کر نمازیں پڑھیں، اکٹھے مل کر کھانا کھائیں تاکہ ان کے درمیان رواداری اور اتحاد کو فروغ ملے، ان کے درمیان مودت ومحبت میں اضافہ ہو اور وہ بنیان مرصوص کی طرح متحد ہو کر دشمنان دین کا مقابلہ کریں اور نصرت وغلبۂ دین کے لیے مل کر جدوجہد کریں۔

۲۔ محدثات میں متفقہ موقف اختیار کرنا

چونکہ بدقسمتی سے مسلکی تقسیم ہمارے معاشرے میں گہری ہے، اور ہمارے اکثر مساجد، مدارس، دینی جماعتیں اور ادارے مسلک کی بنیاد پر کام کرتے ہیں لہٰذا محدثات اور نوپیش آمدہ مسائل میں بھی یہی رویہ سامنے آتا ہے کہ اس بارے میں فلاں مسلک کے فلاں عالم کی یہ رائے ہے اور دوسرے مسلک کے فلاں عالم کی یہ رائے ہے۔ اس علمی وفکری انتشار کو ختم کرنے کے لیے ملی مجلس شرعی نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ محدثات اور نوپیش آمدہ مسائل میں سارے مسالک کے علماء کرام کو جمع کرے گی اور اکٹھا بٹھائے گی اور پوری کوشش کرے گی کہ سارے مسالک کے علماء کرام مل کر ایک مشترکہ موقف طے کریں چنانچہ الحمدللہ اس وقت تک مجلس مسئلہ تصویر اور اسلامی مقاصد کے لیے ٹی وی وغیرہ کے استعمال، دینی مدارس کے

نصابات، دہشت گردی، میڈیا کی اصلاح، فحاشی کی تعریف، توہین رسالت کی سزا اور مسئلہ سود پر قرار دادیں پاس کر چکی اور رپورٹیں پیش کر چکی ہے۔

فحاشی کی تعریف والی رپورٹ سپریم کورٹ آف پاکستان کو بھجوائی گئی جب کہ سود سے متعلق سوالات کے متفقہ جوابات وفاقی شرعی عدالت کو بھجوائے گئے۔ دہری شہریت کی شرعی حیثیت کا مسئلہ بھی اس وقت مجلس کے زیر غور ہے چونکہ مشترکہ موقف پر پہنچنے میں کافی دیر لگتی ہے اس لیے مجلس مین فیصلے جلد نہیں ہو سکتے۔

۳۔ انسداد سود

سود کو قرآن حکیم نے اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ قرار دیا ہے۔ اس لیے جب تک مسلمان معاشرہ اپنے پیروں پر کھڑا رہا اس میں سود حرام تھا اور مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک اپنی معیشت بغیر سود کے چلا کر دکھائی اور دنیا پر یہ ثابت کیا کہ سود کے بغیر معیشت چلائی جا سکتی ہے لیکن جوں ہی مسلمان کمزور اور مغربی قومیں طاقتور ہوئیں انہوں نے مسلم ممالک پر قبضہ کر لیا، ان کو لوٹا کھسوٹا اور ان کا اجتماعی ڈھانچہ (اقتصادی نظام، تعلیمی نظام، قانونی نظام......وغیرہ) توڑ کر اسے اپنی الحادی فکر وتہذیب پر استوار کیا چنانچہ جو معاشی ڈھانچہ اس نے زیر قبضہ مسلم علاقوں کے لیے تشکیل دیا سود اس کا لازمی جزو تھا۔ پھر جب اہل مغرب کو دوسری جنگ عظیم کے بعد مسلم ممالک کو مجبوراً آزادی دینا پڑی تو اس نے کوشش کر کے اقتدار ان طبقوں کو منتقل کیا جو ان کے پروردہ اور ان کی فکر وتہذیب کے دل دادہ تھے، اور بھر پور کوشش کی کہ ان کے استعماری دور کے اجتماعی ڈھانچے کو نہ چھیڑا جائے چنانچہ پاکستان میں بھی یہی ہوا کہ سارا اجتماعی ڈھانچہ جو اس قابل تھا کہ اسے منہدم کر کے نئے سرے سے اسلامی بنیادوں پر استوار کیا جاتا وہ پرانی بنیادوں پر قائم رہا چنانچہ دیگر نظام ہائے زندگی کے ساتھ انگریز کا قائم کردہ معاشی نظام آج بھی پاکستان میں مروج ہے اور سود اس کا لازمی جزو ہے۔

جنرل ضیاء الحق نے جب اسلام کے حق میں کچھ کام شروع کیا تو ملک کے سارے عدالتی نظام کو تو وہ نہ بدل سکا البتہ اس نے ایک وفاقی شرعی عدالت بنادی لیکن جب اس کا دائرہ کار طے کرنے کا وقت آیا تو سوئے فہم یا مغربی دباؤ سے سود اور چند دوسرے اہم پہلوؤں کو اس سے چند سال کے لیے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ بعد میں آنے والے حکمران اس مدت میں توسیع کرتے رہے تا آنکہ بعد میں آنے والی حکومتیں پارلیمنٹ میں اکثریت نہ رکھنے کی وجہ سے اس مدت میں اضافہ نہ کر سکیں اور لوگوں نے سود کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں درخواستیں دے دیں جب کہ اسلامی نظریاتی کونسل پہلے ہی سود کو حرام قرار

دے کر متبادل طریق کار تجویز کر چکی تھی۔ وفاقی شرعی عدالت نے سود کو حرام قرار دیتے ہوئے بنکوں اور دوسرے اداروں کو سودی لین دین سے منع کرنے اور متعلقہ قوانین کو تبدیل کرنے کا حکم دے دیا۔ اس کے خلاف سپریم کورٹ شریعت اپیل بنچ میں اپیل کی گئی جس نے سود کے خلاف حکم کو برقرار رکھا لیکن ہماری حکومتیں چونکہ سود کو کالعدم قرار نہیں دینا چاہتی تھیں لہٰذا انہوں نے سپریم کورٹ کے حکم پر عمل کرنے کی بجائے یہ قانونی نکتہ نکالا کہ بعض سوالات کا تسلی بخش جواب نہیں دیا گیا لہٰذا یہ کیس مزید سماعت کے لیے واپس وفاقی شرعی عدالت کو بھجوا دیا جائے چنانچہ یہ کیس آج کل دوبارہ بطور ریمانڈ وفاقی شرعی عدالت کے پاس ہے جس نے ابتدائی سماعت کے بعد اسے غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کر کے کولڈ سٹوریج میں ڈال دیا ہے تاکہ حکومت کو سود کے خلاف حکم پر عمل نہ کرنا پڑے۔

ملی مجلس شرعی نے حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد عوام میں سود کے خلاف آگاہی پیدا کرنے، حکومت پر اخلاقی دباؤ ڈالنے اور عدالت پر صحیح صورت واضح کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنا دی جس نے 'تحریک انسداد سود' کے نام سے ایک پلیٹ فارم بنا کر یہ کام شروع کر دیے۔ مجلس نے سارے مسالک کی طرف سے متفقہ اور مشترکہ طور پر شرعی عدالت کی طرف سے اٹھائے گئے سوالوں کے جوابات ارسال کر دیے ہیں، مدارس اور مساجد کو متحرک کرنے کے لیے ایک جمعہ کو یوم انسداد سود کے طور پر منایا گیا، مختلف مدارس اور دینی تقریبات میں علماء کو سود کے حوالے سے بریفنگ دی گئی۔ تحریریں اخبارات میں چھپوائی گئیں اور لاہور میں ایک بڑا اجلسہ کرنے کا بھی پروگرام ہے۔

۴۔ جدید تعلیمی اداروں کے طلبہ کی اسلامی تعلیم و تربیت

ہمارے معاشرے کا یہ ایک المیہ ہے کہ اس کا نظام تعلیم ابھی تک انگریز کے وضع کردہ خطوط پر جاری ہے حالات میں اصلاح نہ دیکھ کر علماء نے بھی ان مدارس کو چلانے کا کام مجبوراً جاری رکھا جو انہوں نے انگریزی دور میں عوام کی دینی تربیت کے لیے بنائے تھے۔ یوں تعلیمی ثنویت ابھی تک باقی ہے۔ جدید تعلیم کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کا کام برائے نام ہوا ہے نتیجہ یہ ہے کہ لاکھوں کروڑوں مسلمان بچے جدید تعلیمی اداروں یعنی سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھ رہے ہیں لیکن ان کی دینی تعلیم و تربیت کا کوئی خاص اہتمام نہیں۔ اور یوں ایک پوری نسل اس طرح پروان چڑھ رہی ہے کہ انہیں موزوں دینی تعلیم و تربیت کے مواقع میسر نہیں۔

ان حالات میں یہ کافی نہیں ہے کہ علماء کرام صرف ان چند لاکھ طلبہ پر تو محنت کرتے رہیں جو ان کے پاس آتے ہیں لیکن ان کروڑوں مسلمان بچوں کو اپنی توجہ سے محروم رکھیں جو جدید تعلیمی اداروں میں

پڑھ رہے ہیں۔ اس لیے ملی مجلس شرعی نے اس معاملے پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ وہ علماء کرام اور دینی مدارس کو توجہ دلائے کہ وہ عصر اور مغرب کے بعد جب دینی مدارس میں معمول کی تعلیم نہیں ہو رہی ہوتی اور اساتذہ و کلاس روم فارغ ہوتے ہیں۔ ان اوقات میں سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کے طلبہ کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے مختلف کورسز رکھے جائیں بلکہ ان طلبہ کے اساتذہ اور عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے بھی کورسز رکھے جائیں یہ ان مدارس کا ایسا صدقۂ جاریہ ہوگا جس کے اثرات دیرپا ہوں گے اور ان شاء اللہ صدیوں جاری رہیں گے۔

۵۔ مفلسوں اور محتاجوں کی مدد

استعمار نے جب مسلم ممالک کو آزاد کیا تو حکومت ان طبقات کے سپرد کی جو اس کے تربیت یافتہ تھے اور جو آسانی سے ان پالیسوں کو نافذ کرنے لگے جو مغربی استعمار نے مسلم دنیا کے لیے تیار کی تھیں۔ ان میں ایک یہ بات بھی تھی کہ مسلم معاشروں کو مفلس و قلاش رکھا جائے تاکہ مسلمان نان جویں کے محتاج رہیں اور انہیں ہر وقت دال روٹی کے لالے پڑے رہیں تاکہ انہیں اپنے دین سے وابستگی، دوسری اپنے مصائب و مشکلات کے اصل اسباب اور ان کے حل کے بارے میں سوچنے کی ہوش ہی نہ آئے چنانچہ وہ اس میں کامیاب رہے۔ انہوں نے مسلم ممالک کو آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے ذریعے سودی قرضوں کے جال میں جکڑا، نااہل حکمرانوں کو اللے تللّے کرنے دیے تاکہ وہ یہ قرض لی ہوئی رقم اپنی جیبوں میں ڈال لیں اور امریکی و یورپی بنکوں میں اپنے خفیہ اکاؤنٹس میں جمع کرادیں اور معاشی استحکام کی کوئی موثر منصوبہ بندی نہ کریں...... چنانچہ استعمار اس میں کامیاب رہا اور اکثر مسلم ممالک کے عوام خط غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں اور کئی لوگ بھوک سے خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

اس کا اصل اور دیرپا حل تو اسی وقت نکلے گا جب مسلمانوں کی استعمار کے ایجنٹ حکمرانوں سے جان چھوٹ جائے گی اور ان کے حکمران ایسے ہوں گے جو ان کے معاشی مسئلے کے حل کے لیے موثر اقدامات کریں۔

یہ بھی یاد رہے کہ غریبوں مسکینوں سے ہمدردی اور ان کا ہاتھ بٹانا مسلمانوں کے لیے ایک شرعی تقاضا ہے اور علماء کرام دین کے عالم ہونے کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں سے زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ وہ اس نیک کام میں ہاتھ ڈالیں، خدمت خلق کو اپنا شعار بنائیں اور غریب و محتاج مسلمانوں کی مصائب و مشکلات کم کرنے کی کوشش کریں۔ اس غرض سے ملی مجلس شرعی یہ تجویز کرتی ہے کہ ائمہ و خطبات ہر مسجد میں ایک 'فلاحی کمیٹی' بنائیں، محلے کے کھاتے پیتے گھروں سے مالی اعانت اکٹھی کریں اور غریبوں و

محتاجوں کی فہرست بنا کر ان کی حسبِ گنجائش مالی مدد کریں تا کہ لوگ بھوکے نہ مریں اور نوبت ان کی خودکشی تک نہ پہنچے۔

علماء کرام کے کرنے کے پانچ اہم کام

۱۔ بین العلماء والمسالک تقارب، رواداری اور اتحاد کے لیے کوشش کرنا۔

۲۔ معاشرے کو درپیش مسائل کے بارے میں مشترکہ اور متفقہ موقف اختیار کرنا۔

۳۔ سود کی شناعت کے بارے میں عوام وخواص میں آگاہی پیدا کرنا۔

۴۔ دینی مدارس میں بعد عصر ومغرب سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ واساتذہ کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا۔

۵۔ ہر مسجد میں ایک 'فلاحی کمیٹی' بنا کر محلے کے غریبوں، محتاجوں اور بیواؤں کی مالی مدد کرنا۔

تعلیم وتربیت

وحدت تعلیم کے تصور پر ایک منفرد تعلیمی اسکیم

ایسے اسلامی سکالرز کی تیاری اور جو مسجد و مدرسہ کے علاوہ معاشرے اور ریاست
کے لیے بھی کام کر سکیں، جو اسلامی علوم کے علاوہ عمرانی علوم کے بھی ماہر ہوں

بنیادی تجویز

☆ اس منصوبے کا ہدف ایسے علماء اور سکالرز کی تیاری ہے جو دینی علوم میں رسوخ رکھتے ہوں اور متقی ہوں۔

علاوہ ازیں جدید عصری علوم سے آ گاہ ہوں اور بعض کے ماہر بھی ہوں اور مسجد و مدرسہ کے علاوہ معاشرے اور ریاست کے اداروں میں بھی خدمات انجام دے سکیں۔

☆ ہر قسم کے فقہی و سیاسی مسالک کے تحزب اور تعصّبات سے ماوراء یہ ایک اقامتی ادارہ ہوگا۔

☆ یہ ادارہ پہلی جماعت سے پی ایچ ڈی تک ہوگا اور طلبہ کو حکومتی ڈگریاں دلائی جائیں گی۔

☆ ابتداء میں داخلے کے تین مراحل: پہلی جماعت، چھٹی جماعت اور گیارہویں جماعت ہوں گے۔

☆ حفاظ اور ذہین طلبہ قابل ترجیح ہوں گے۔

بعض تفصیلات

ادارے کا دینی علوم کا اپنا نصاب ہوگا جس کا خاکہ تیار کر لیا گیا ہے۔ نصابی کتب کا انتخاب اور تیاری ساتھ ساتھ جاری رہے گی۔ اس کام میں علماء، سکالرز اور ماہرین تعلیم سے مشاورت بھی کی جائے گی۔ حکومتی نصاب کے لیے کتب بھی ادارہ خود مدوّن کرنے کی کوشش کرے گا۔

۲۔ دوسری اور تیسری سطح کا موجودہ نصاب عارضی ہوگا۔ حتمی نصاب وہ ہوگا جو پہلی جماعت کے طالب علم کے ساتھ ساتھ چلے گا۔

۳۔ حکومتی امتحانات صرف وہ دلائے جائیں گے جو ناگزیر ہیں اور وہ بھی ممکن حد تک اسلامی مضامین کے گروپ کے ساتھ جیسے ثانوی، اعلیٰ ثانوی اور بی اے میں۔ پانچویں اور آٹھویں جماعت کے امتحانات فی الحال لازمی نہیں ہیں لہٰذا انہیں دلوائے جائیں گے البتہ طلبہ کو اس قابل کیا جائے گا کہ وہ نویں کا امتحان آسانی سے بلکہ بہترین انداز میں پاس کر سکیں۔

۴۔ ایم اے میں طلبا علوم اسلامیہ یا سماجی علوم (جیسے اکنامکس، فلسفہ، تاریخ، عربی، انگریزی، اردو......وغیرہ) میں سے کوئی ایک مضمون منتخب کر سکیں گے۔ سماجی علوم میں اسلامی اور عصری تناظر میں تقابلی مطالعہ کرایا جائے گا۔

۵۔ طلبہ حکومتی امتحانات پرائیویٹ طور پر دیں گے سوائے جبری کورس ورک کے جیسے ایم فل اور پی ایچ ڈی میں ہوتا ہے۔ طلبہ جس مضمون میں ایم اے کریں گے اسی میں ایم فل و پی ایچ ڈی کریں گے۔

۷۔ پرائمری سکول کے اساتذہ مرد ہوں گے۔

۸۔ آپشنل حفظ کا آغاز تیسری جماعت سے ہوگا۔

۹۔ تعمیر شخصیت و کردار اور تزکیہ نفس اس تعلیم کا حاصل اور حقیقی غایت ہوگا۔ جس کے لیے بھرپور لائحہ عمل پر، ہر تعلیمی سطح پر، عمل درآمد کیا جائے گا۔

۱۰۔ اپنے اساتذہ کی تربیت کا کام ادارہ خود کرے گا۔ جن طلبہ کے والدین فیس دے سکتے ہیں وہ حقیقی اخراجات کے مطابق فیس ادا کریں گے اور جو والدین بوجوہ افلاس فیس ادا نہیں کر سکتے ان کی مالی ذمہ داری اس 'ٹرسٹ' پر ہوگی جو اہل خیر کے تعاون سے ادارہ چلائے گا۔

۱۱۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل حال رہے، انتظامیہ مخلص، محنتی اور پرجوش ہو اور وسائل مہیا ہوتے رہیں تو یہ ادارہ بتدریج ایک یونیورسٹی کی شکل اختیار کرے گا۔

مندرجہ بالا کورسز ریگولر تعلیم کے ہیں۔ ان کے علاوہ مجوزہ ادارے میں مندرجہ ذیل ضمنی کورسز بھی حسبِ سہولت و گنجائش کروائے جائیں گے:

ا۔ائمہ وخطباء کورس

چار سالہ اقامتی کورس۔ آٹھویں جماعت پاس غریب طلبہ کو لے کر ۴ سال تک رکھا جائے گا۔ ان کے لیے امام وخطیب کا خصوصی نصاب ہوگا۔ ساتھ وہ ایف اے بھی کر لیں گے۔ اخراجات کی ذمہ داری ٹرسٹ پر ہوگی۔ موجودہ ائمہ وخطباء کی تربیت کے لیے ریفریشر کورسز۔

۲۔ شام کے وقت چھ ماہ کا فہم اسلام سرٹیفیکیٹ اور ایک سال کا ڈپلومہ

۳۔ایک سال کا اقامتی کورس برائے فہم دین اور دعوت دین

۴۔ایک سال کا غیر اقامتی کورس برائے فہم دین

۵۔ایک ہفتے /دو ہفتے کا اقامتی فہم دین وتزکیۂ نفس پروگرام

۶۔ عربی زبان میں سرٹیفیکیٹ اور ڈپلومہ